

جاگیرداری

اور

جاگیردارانہ کلچر

ڈاکٹر مبارک علی

جاگیرداری

اور

جاگیردارانہ کلچر

مصنف : ڈاکٹر مبارک علی

مشعل

آر۔ بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور54600' پاکستان

جاگیرداری اور جاگیردارانہ کلچر

ڈاکٹر مبارک علی

ناشر: مشعل بکس

مشعل

آر بی ۵، عوامی کمپلیکس،

عثمان بلاک نیوگارڈن، لاہور۔54600، پاکستان

پیش لفظ

ان صفحات میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ فیوڈل ازم یا جاگیرداری کو مغرب اور مشرق کے تناظر میں دیکھا جائے اور اس کا تجزیہ کیا جائے کہ یہ نظام کن حالات میں پیدا ہوا تھا، کن حالات میں اس کی شکل و ہیئت بدلتی رہی اور پھر کس مرحلہ پر اس کی افادیت ختم ہوگئی۔ اس مطالعہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ فیوڈل ازم نے جب بھی تمام مادی وسائل اور اقتدار کو ایک طبقہ میں محدود کیا تو اس کی وجہ سے معاشرے کے دوسرے طبقوں کو یہ موقع نہیں ملا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو ابھار سکیں، اور انہیں معاشرے کی ترقی میں استعمال کر سکیں۔ اس لئے جب بھی اس طبقہ پر زوال آیا تو اس کے ساتھ ہی معاشرہ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگیا اور زوال کے عمل کو روکنے والا یا معاشرے کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں بچا۔

فیوڈل ازم نے جس طبقاتی نظام کی بنیاد ڈالی تھی اس میں حاکم و محکوم میں اس قدر فرق اور دوری تھی کہ اس نے معاشرہ کو تقسیم کر دیا۔ محکوم طبقہ اتنا کچلا اور دبا ہوا رہا کہ خود اس نے اپنی حالت پر قناعت کر لی، اور اگر مزاحمت کے راستہ کو اختیار کیا بھی تو اسے پر تشدد اور ظالمانہ طریقہ سے ختم کر دیا گیا۔

کئی سال کی بات ہے کہ میں نے انگلستان کے ایک دور افتادہ علاقہ میں ایک چرچ دیکھا۔ یہاں چرچ کو بنانے والی زمیندار خاتون کے بارے میں کتبہ پر یہ لکھا ہوا تھا کہ ''مالکن اچھی شخصیت کی حامل تھیں اور اپنے مزاروں سے بڑی خوش اخلاقی سے بات کرتی تھیں۔'' یعنی خوش اخلاقی سے بات کرنا بھی فیوڈل معاشرے میں نیکی اور خوبی کی بات تھی (ہمارے ہاں یہ بات آج بھی صحیح ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ کس قدر فیوڈل اور ٹھہرا ہوا ہے)۔

ہمارے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے اب یہ سوال عام طور پر کیا جا رہا ہے

کہ کیا فیوڈل ازم ہماری خرابیوں کا ذمہ دار ہے؟ شاید ان صفحات کے مطالعہ سے اس سوال کا جواب مل سکے کہ کیا ہمارے معاشرے کے مادی وسائل اور مراعات صرف ایک طبقہ تک محدود رہیں، یا ان میں سب کو شریک کیا جائے؟

مبارک علی

مارچ ۱۹۹۶ء، لاہور

فہرست

تعارف

تاریخی عمل کو سمجھنے کے لئے مورخین تاریخ کو معاشی، سماجی اور سیاسی طور پر کئی ادوار میں تقسیم کرتے ہیں تا کہ ایک خاص عہد اور دور میں جو رجحانات پیدا ہوتے ہیں انہیں بہتر طریقہ سے سمجھا جا سکے۔ چنانچہ ابتدائی تاریخی دور کے بعد شکار کا زمانہ، زمانہ غلامی، اور اس کے بعد فیوڈل ازم کا دور آتا ہے۔ فیوڈل ازم کا ادارہ خاص طور سے یورپ میں مخصوص سیاسی، سماجی، اور معاشی حالات کے تحت پیدا ہوا اور وہیں اس کا مکمل فروغ ہوا۔ دوسرے معاشروں میں یہ ادارہ ایک نئی شکل اور ہیئت کے ساتھ پروان چڑھا۔ جاپان کا سمورائی، چین کا جاگیردارانہ اور مشرقِ وسطیٰ میں عربوں کی فتح کے بعد اقطاع کا نظام خاص حالات کے تحت تشکیل پایا۔ مگر ان نظاموں کے فرق کے باوجود ان میں ثقافتی طور پر بہت کچھ ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

تاریخ سے جہاں ہم اور بہت کچھ سیکھتے ہیں وہاں ایک سبق یہ بھی ہے کہ ادارے، روایات اور قدریں خاص حالات میں وقت کی ضروریات پوری کرنے کے لئے پیدا ہوتی ہیں، اور جب ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ان کا وجود بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر ادارہ اور روایت آخری وقت تک اپنی بقا کے لئے جدوجہد کرتی ہے اور اپنی بقا کے لئے ہی وہ اپنی ہیئت میں تبدیلی لاتی ہے، نئے نظریات کو اپنانے کی کوشش کرتی ہے تا کہ وہ نئے خطرات اور چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے۔ فیوڈل ازم کا ادارہ بھی جس شکل میں وجود میں آیا تھا اس کی وہ شکل وقت کے ساتھ ساتھ برابر بدلتی رہی، ضرورت کے تحت وہ نئی روایات کو اپنے اندر ضم کرتا رہا — لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود بدلتے حالات میں اس کے لئے خود کو باقی رکھنا مشکل ہوتا چلا گیا۔ یورپ کی تاریخ میں فیوڈل ازم اور اس کی بقا کی جنگ کو اس تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تاریخ میں ایسا بھی ہوا ہے کہ کبھی کوئی ادارہ حالات کے دباؤ کے تحت آہستہ

آہستہ ختم ہوا، اور کبھی اسے انقلابی اقدامات کے ذریعہ یکدم ختم کیا گیا۔ ان دونوں صورتوں میں ادارہ کے زوال کے ساتھ ہی اس سے متعلق کلچر میں بھی زوال آ جاتا ہے۔ اگر چہ کلچر خود کو باقی رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے اور اس کے ختم ہونے میں ادارے سے زیادہ وقت لگتا ہے۔ اس لئے فیوڈل ازم کا ادارہ تو کئی ملکوں اور معاشروں میں ختم ہو گیا مگر اس نے جو کلچر پیدا کیا تھا اس کو ختم ہونے میں بڑا وقت لگا۔ زوال پذیر اور شکستہ یورپی فیوڈل طبقہ نے آخر وقت تک اپنے کلچر کی قدروں اور روایات کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ اپنی سیاسی اور مادی طاقت کے ختم ہونے کے بعد وہ اپنے کلچر کے سہارے معاشرے میں خود کو ممتاز کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر جب یورپ میں صنعتی کلچر نے فیوڈل کلچر کو ختم کر دیا تو اس کے ساتھ ہی فیوڈل ازم اور اس کا کلچر تاریخ کا ایک حصہ بن کر رہ گئے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ صنعتی تبدیلیوں نے کئی ملکوں میں فیوڈل ازم کو ختم کر دیا ہے۔ کئی معاشرے ایسے بھی ہیں جہاں فیوڈل ازم اور صنعتی اداروں کے درمیان کشمکش جاری ہے، اور کئی ایسے معاشرے بھی ہیں جہاں فیوڈل ازم، صنعتی اقدار اور قبائلی روایات کے درمیان تصادم ہے۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ فیوڈل ازم کو اس کے تاریخی پس منظر میں بھی دیکھا جائے کہ تاریخ میں اس کا کیا کردار رہا ہے؟ کس طرح وقت کے ساتھ اس میں تبدیلیاں آئیں؟ اس کی افادیت کیا تھی؟ اور پھر یہ افادیت کیوں ختم ہو گئی۔

فیوڈل ازم کیا ہے؟ اس کی تعریف اور وضاحت کئی مورخوں نے کی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس نظریاتی بحث پر نظر ڈالی جائے جو فیوڈل ازم کی وضاحت کرتی ہے۔ ہندوستان کے مشہور مصنف کوسمبی نے فیوڈل ازم کے ارتقاء کے بارے میں کہا ہے کہ یہ دو طرح سے ہوا۔ ایک وہ فیوڈل ازم کہ جو اوپر سے نافذ کیا گیا۔ اس قسم کے فیوڈل ازم میں بادشاہ اپنے ماتحتوں پر خراج عائد کرتا تھا۔ یہ ماتحت اپنے علاقوں میں پورے اختیارات کے حامل ہوتے تھے۔ جب تک وہ خراج دیتے تھے انہیں اجازت ہوتی تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں جو چاہیں کریں۔

فیوڈل ازم کی دوسری قسم وہ ہے کہ جو نیچے سے ارتقاء پذیر ہوئی۔ اس میں گاؤں میں زمینداروں نے فوجی قوت و طاقت حاصل کر کے اپنے علاقوں میں حکومت قائم کر لی۔

بعد میں یہ ریاست اور کسانوں کے درمیان ایک واسطہ بن گئے اور مرکزی ریاست نے انہیں یہ حق دے دیا کہ وہ ریونیو وصول کریں اور ضرورت کے وقت فوج کے ساتھ مدد کریں۔ لہٰذا ان کے کارکن کسانوں سے ٹیکس وصول کر کے اوپر پہنچاتے تھے۔ جب کہ اول قسم کے فیوڈل ازم میں یہ ٹیکس مرکزی حکومت کے عہدے دار اور افسر جمع کرتے تھے۔(۱)

اس کے بعد کوسمبی یورپی فیوڈل ازم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس ادارے کی ہیئت اور خصوصیات کی وضاحت کرتا ہے۔

اول: فیوڈل ازم ایک ایسا نظام تھا کہ جس میں پیداواری آلات سادہ، معمولی، اور سستے ہوتے تھے۔ پیداواری عمل انفرادی ہوتا تھا۔ محنت کی تقسیم ابتدائی حالت میں ہوتی تھی۔

دوم: پیداوار خاندان یا برادری کے لئے ہوتی تھی، کسی بڑی منڈی یا مارکیٹ کے لئے نہیں۔

سوم: دوسرے کی زمین پر کاشت کی جاتی تھی۔

چہارم: سیاسی ٹوٹ پھوٹ کے دوران زمین کی ملکیت کے حقوق بدلتے رہتے تھے، کبھی ساری زمین بادشاہ کی ہو جاتی تھی اور کبھی قبائلی سردار یا برادری کی۔

پنجم: مشروط طور پر زمین پر قبضہ۔ راجپوتوں اور ترک مسلمان فاتحین کے زمانہ میں جاگیرداروں کے پاس زمینیں مشروط ہوتی تھیں، وراثت میں نہیں۔ یہ اس وقت تک رہتی تھیں کہ جب تک وہ ریاست کی فوجی امداد کرتے تھے۔

ششم: عدالتی اختیارات کا استعمال، اس میں فیوڈل اپنے علاقے میں یہ اختیارات رکھتا تھا۔

کوسمبی نے یہاں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ہندوستان کے فیوڈل ازم میں تین عناصر نہیں تھے۔ غلامی کا ارتقاء پذیر ادارہ، گلڈ، اور چرچ، اس کے بجائے یہاں ذات پات کی تقسیم تھی کہ جس نے چرچ اور گلڈ کی جگہ رکھی تھی۔ (۲) ہندوستان میں اوپر سے جو فیوڈل ازم آیا اس میں کوئی نئی ایجادات نہیں ہوئیں جیسے کہ قرون وسطیٰ کے یورپ میں ہوئیں جہاں ہوائی پن چکی، گھوڑے کی لگام، اور بھاری ہل ایجاد ہوئے۔ (۳) جنہوں نے معاشرے کی تبدیلی میں حصہ لیا۔ جب کہ ہندوستان معاشرہ ایجادات کے نہ ہونے سے

جمود کا شکار رہا۔

مارک بلوخ نے فیوڈل ازم کے بارے میں جو وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں کسان کی حیثیت رعیت کی ہوتی تھی، جسے کام کرنے کے صلہ میں تنخواہ کی بجائے جنس میں ادائیگی کی جاتی تھی۔ یہ جنگجو طبقہ کے ساتھ وفاداری کے بندھنوں میں جکڑے ہوتے تھے اور اس کے عوض وہ طبقہ انہیں تحفظ فراہم کرتا تھا۔ اس جنگجو طبقہ میں سے ایک اور طبقہ پیدا ہوتا تھا جو ماتحتوں کا طبقہ ہوتا تھا (Vassals) جن کی وجہ سے اس طبقہ کی اتھارٹی تقسیم ہو جاتی تھی۔ اس ادارے سے جو دوسرے ادارے پیدا ہوئے۔ ان میں ریاست، خاندان، اور چرچ کے ادارے اہم تھے۔(۴)

کچھ مورخ اس ادارے کو ایک سیاسی ادارہ کی حیثیت دیتے ہیں، جس کے ذریعہ حکومت کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے سماجی و سیاسی ادارے تشکیل پاتے ہیں، مگر اس کی سیاسی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔

مورخوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ ادارہ بڑا محدود ہوتا تھا۔ کیونکہ اس میں جو بھی پیداوار ہوتی تھی وہ محض استعمال کے لئے ہوتی تھی، تجارت کے لئے نہیں۔ اس لیے اس کی معاشی حیثیت کمزور ہوتی تھی۔ اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ زراعتی پیداوار کو زبردستی چھین لیا جائے تاکہ اس آمدن کی بنیاد پر امپیریل ریاست قائم رہے۔ زائد مقدار کو لینے کے لئے سیاسی و قانونی اداروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے حقیقی پیداوار کرنے والا کسان پیداواری فوائد سے محروم رہتا تھا۔ اس زائد مقدار کو ٹیکس، جرمانہ، اور بیگار کی قانونی شکل دے کر وصول کیا جاتا تھا۔

اس نظام میں سب سے زیادہ مجبور صورت حال کسان کے لئے ہوتی تھی اس کی اہمیت کی پیش نظر اسے زمین سے جبراً باندھ کر رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کی محنت کی خریداری کے لئے کوئی مارکیٹ نہیں ہوتی تھی اس لئے اسے مجبوراً کھیت پر کام کرنا پڑتا تھا۔ اس عدم مقابلہ کی وجہ سے ایک ہی حالت پر رہتا تھا اگر اسے آزاد بھی کر دیا جاتا تو وہ کسی دوسرے جگہ اپنی محنت نہیں بیچ سکتا تھا۔ اس لئے کھیت ہی اس کی پناہ گاہ اور روزی کا ذریعہ رہتا تھا، اس لئے کسان کو آزاد کرانے کے لئے محض قانون کافی نہیں تھا۔ معاشی آزادی کے لئے منڈی اور مارکیٹ کا ہونا بھی لازمی تھا۔ چونکہ قرون وسطی میں جہاں مارکیٹ میں مزدوری کم

یاب تھی وہاں فیوڈل لارڈز کو آسانی سے کسانوں کی محنت دستیاب ہوگئی۔ اور ان کی محنت پر انہوں نے اپنی معاشی برتری اور سیاسی قوت کو قائم کیا۔ (۵)

ہربنس مکھیا نے ان طریقوں کی نشاندہی کی ہے کہ جن میں زائد پیداوار کو کسان سے چھین لیا جاتا تھا۔ مثلاً غلامی کے زمانہ میں پیداوار کو غلاموں سے چھین لیا جاتا تھا اور یہ مالکوں کے تصرف میں آ جاتی تھی۔ سرمایہ دارانہ زراعت میں پیداوار کو کسان سے چھین تو لیا جاتا ہے مگر اسے مارکیٹ کے لحاظ سے محنت کا عوضانہ دیا جاتا ہے۔ فیوڈل ازم میں پیدا کرنے والا اپنی پیداوار سے قطعی جدا تو نہیں کیا جاتا تھا، مگر اس سے زائد مقدار لے لی جاتی تھی (٦) لہٰذا فیوڈل ازم میں غیر زراعتی طبقہ پیداوار کو ہتھیا لیتا تھا۔ اس کا زمین پر قبضہ بحیثیت فرد کے ہوتا تھا نہ کہ بحیثیت جماعت کے۔ (۷)

فیوڈل ازم کی ایک شکل تو وہ تھی کہ جب بڑی بڑی امپائرز بنتی تھیں تو انہیں مختلف علاقوں میں امن و امان برقرار رکھنے اور ٹیکس کی وصولیابی کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت ہوتی تھی۔ شہنشاہ اور حکمراں کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ مرکز میں رہتے ہوئے اور پھیلے ہوئے علاقوں پر اپنا تسلط برقرار رکھ سکے۔ اس لئے وہ ان علاقوں کو تقسیم کر کے اپنے عہدے داروں افسروں یا مقامی فوجی عاملوں کو دے دیتا جو جاگیر کی آمدنی کے عوض اس کی فوجی خدمت ادا کرتے تھے، اور اس سے وفادار رہتے تھے۔ اس میں زمین حکومت کی ہوتی تھی، یہ بطور وراثت نہیں دی جاتی تھی۔

اس لئے جب بھی نیا حکمراں خاندان آتا یا فاتح نئی زمینوں پر قبضہ کرتا تو وہ ان فیوڈل لارڈز کو رہنے دیتا کہ جنہوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا ہو۔ مگر جن لوگوں نے قدیم حکمراں خاندان کا ساتھ دیا ہوتا ان کی زمینیں چھین لی جاتی تھیں۔ چنانچہ فاتحین جاگیریں اپنے وفادار ساتھیوں کو دیتے تھے۔ یا ان قدیم جاگیرداروں کو جنہوں نے فاتحین کی شرائط کو تسلیم کر لیا ہو۔ مثلاً ہندوستان کی تاریخ میں جب ترک فاتحین آئے تو یہ اپنے ساتھ ترک و ایرانی لوگ لے کر آئے جو ان کے عہد میں جاگیردار بنے۔ مغلوں نے ان کی جگہ اپنے وفادار ساتھیوں کو جاگیریں دیں اور وفادار راجپوت فیوڈل لارڈز کو باقی رکھا۔

اس لئے فیوڈلز کے لئے اپنی جاگیریں دیں اور مراعات کو باقی رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وقت کے ساتھ اپنی وفاداری بدلتا رہے۔ اس لئے وفاداری کی تبدیلی اس

کے کردار کا ایک جز لانیفک بن گئی۔ چونکہ ایک فیوڈل کے لئے سب سے اہم چیز زمین ہوتی تھی کہ جس سے اسے معاشی و سیاسی اقتدار ملتا تھا اس لئے زمین کے تحفظ کی خاطر وہ تمام اخلاقی و سماجی اصول و قاعدے قربان کر دیتا تھا۔ زمین کے مقابلہ میں قوم، نسل، اور ملک اس کے لئے اہم نہیں رہتے تھے۔

لہٰذا حکمرانوں نے زمینوں کی تقسیم کر کے اپنے حمایتی وفاداروں کا طبقہ پیدا کیا۔ اگر زمین کم پڑ جاتی تھی تو بادشاہ اپنی زمین سے جاگیرداروں کو جاگیر دے دیتا تھا، جیسا کہ یورپ میں ہوا، جہاں انہوں نے چرچ کی زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں اپنے امراء میں تقسیم کر دیا، جیسا کہ انگلستان کے بادشاہ ہنری ششم نے کیا اس نے ۱۵۳۵ ار۱۵۴۵میں خانقاہوں کی زمینوں اور دولت پر قبضہ کر کے اسے اپنے حمائیتیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے برعکس اگر بادشاہ کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ جاگیروں پر قبضہ کر کے اپنی طاقت و دولت دونوں بڑھاتا تھا، جیسے کہ کاردلنجین دور میں چارلیس مارٹل نے کیا۔(۸)

فیوڈل ازم کی ایک دوسری قسم وہ تھی کہ جب کوئی امپائر ٹوٹتی تھی تو اس کے نتیجہ میں چھوٹے چھوٹے فیوڈل لارڈز اپنے اپنے علاقوں پر قابض ہو جاتے تھے اور مرکزی حکومت کی اتھارٹی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ یورپ میں اس کی مثال کارڈلنجین امپائر ہے، قدیم ہندوستان میں موریہ سلطنت، اور جدید دور میں مغلوں کا زوال ہے کہ جس کی وجہ سے فیوڈل لارڈز کا طبقہ مضبوط ہوا اور انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں قبضہ کر کے وہاں کی آمدنی کو خود ہتھیالیا۔

فیوڈل ازم کے ادارے کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں تین عناصر ملتے ہیں:

کسانوں کی غلامی، جاگیر اور جاگیر کو بطور معاشی یونٹ استعمال کرتا۔ جب یہ تین عناصر مضبوط ہوں تو اس کے نتیجہ میں نہ صرف تجارت زوال پذیر ہوتی بلکہ شہروں کی آبادی بھی بڑھنے نہیں پاتی۔ اس لئے جب بھی شہروں کی آبادی بڑھتی ہے اور تجارت کو فروغ ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے فیوڈل ازم کا نظام کمزور ہوتا ہے کیونکہ کسانوں کو شہروں میں ملازمت کے مواقع میسر آنے لگتے ہیں اور وہ گاؤں چھوڑنے پر آمادہ ہوتے ہیں اس لئے جب ریاست تاجروں کی ہمت افزائی کرتی ہے تو فیوڈلز اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کسانوں کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی زمینوں کی پیداوار کا انحصار کسان کی

محنت پر ہوتا ہے۔ (۹)

اس تعارف کے نتیجہ میں جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ہے فیوڈل ازم کا ادارہ ہر ملک میں خاص حالات میں پیدا ہوا اور وقت کے ساتھ بدلتا رہا، اس لئے اس کی ایک مکمل اور جامع تعریف تو نہیں ہو سکتی، لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس ادارے کی جو عمومی خصوصیات رہی ہیں، ان میں فوجی طبقہ کا معاشی پیداوار پر قبضہ، نجی جائیداد کا حق، (مگر کئی معاشروں میں زمین کو نجی جائیداد کی حیثیت نہیں بھی دی گئی)۔ کسانوں اور کاشتکاروں کی محنت کا استحصال، حکمران طبقے کے تحفظ کے لئے اخلاقی و سماجی اور مذہبی اقدار کی تشکیل۔ زائد مقدار کے حصول سے جو دولت جمع ہوئی اس سے آرٹ، تعمیر، ادب و شاعری کا فروغ۔

اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہاں فیوڈل ازم کی اصطلاح وسیع معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ مگر جب ہندوستان کا ذکر آتا ہے تو یہاں پر جاگیرداروں کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس سے کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی ہے۔

مورخوں اور سماجی علوم کے ماہرین نے اس قسم کے سوالات بھی اٹھائے ہیں کہ کیا ہندوستان میں فیوڈل ازم رہا ہے؟ تو اس سلسلہ میں آر۔ ایس۔ شرما کی کتاب ''ہندوستان میں فیوڈل ازم'' بی۔ این۔ ایس یادو کی کتابیں ''سوسائٹی اینڈ کلچر'' اور "Immobility and Subjection" اور ہربنس مکھیا کا مقالہ ''کیا ہندوستان میں فیوڈل ازم تھا؟ ان سوالوں کے جوابات دیتے ہیں۔ یورپ میں یہ دور غلامی اور پھر جرمن قبائل کے درمیان تفریق کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ ہندوستان میں ریاست نے تنخواہ اور خیرات وصدقہ یا چیرٹی کے عوض، ریونیو کے حقوق کے ساتھ، اپنے عہدے داروں کو زمین دے کر اپنی قسم کا فیوڈل ازم پیدا کیا، (۱۰) ان صفحات میں اسی بات کی کوشش کی گئی ہے کہ فیوڈل ازم کی ان مختلف شکلوں کی وضاحت کی جائے اور ان کی تاریخی کردار پر روشنی ڈالی جائے۔

حوالہ جات

1۔ D.D.Kosambi:An Introduction to the Study of Indian History, Bombay1956. 6th edition, 1994p.295

2۔ کوسمبی: ص۳۵۵۔۳۵۴

3۔ ایضاً ص۳۵۵

4۔ مارک بلوخ: فیوڈل سوسائٹی۔ شکاگو۱۹۶۴ء ص ۴۴۶۔

5۔ ہربنس مکھیا: Perspectives on Medieval History, Vikas Delhi 1994- P.93

6۔ ایضاً: ص ۹۵

7۔ جان کرچ لے: فیوڈل ازم، جارج ایلن اینڈ ان دن ۱۹۷۸ص۱۷۶

8۔ ایف۔ ایل۔ گان شوف: فیوڈل ازم، لانگ مین ۱۹۵۲ص ۱۷

9۔ سندھ میں وڈیروں کی جیلوں کی تفصیل اخبارات میں آئی ہے کہ انہوں نے ایڈوانس میں معاوضہ دے کر کسانوں کو قیدی بنا لیا اور ان سے زبردستی کام کراتے رہے۔ ان کی نگرانی کی جاتی تھی تا کہ وہ فرار نہ ہوسکیں۔

10۔ مکھیا: ص۱۱۲

پہلا باب

یورپی فیوڈل ازم

فیوڈل ازم کی تعریف

فیوڈل ازم کا لفظ لاطینی زبان کے فیوڈال(Feodalis) سے نکلا ہے۔ فرانسیسی میں آ کر یہ فیوڈالتے (Feodalite) ہوگیا اور پھر یہاں سے یہ یورپ کی دوسری زبانوں میں گیا۔ اس سے پہلے اس مفہوم کو فیف ہولڈر کے ذریعہ ادا کیا جاتا تھا۔ ولیم فاتح ۔۱۰۶۶) (۱۱۳۵نے جب انگلستان کو فتح کیا اور اپنے سورماؤں میں جو زفیف تقسیم کیں وہ نارمن فرانسیسی میں فیف کہلاتی تھیں۔ جس میں یہ معاہدہ تھا کہ فیف ہولڈر بادشاہ کو سپاہی اور گھوڑے فراہم کرے گا۔

فیوڈل ازم کا ارتقاء

یورپ میں فیوڈل ازم رومی سلطنت کے زوال اور جرمن قبائل کی فتوحات کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ اگرچہ اس نظام کے جراثیم اس فوجی نظام میں بھی موجود تھے جو کہ رومیوں کے عہد میں قائم تھا۔ جب یہ پرانا نظام ٹوٹا تو اس کی وجہ سے پیداواری رشتوں نے نئے پیداواری ذرائع کے لئے فیوڈل ازم کے نظام کی تشکیل کی۔ اس نظام کا ارتقاء آہستہ آہستہ ہوا۔ جب اٹلی اور گال کے شہر جرمن قبیلوں کے حملوں کی وجہ سے غیر محفوظ ہوئے اورشہروں میں لوٹ مار ہونے لگی تو یہاں سے امراء اپنی حفاظت کے لئے دیہاتوں میں چلے گئے اور شہروں کو بغیر کسی حفاظت کے چھوڑ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں شہر ویران ہونا شروع ہو گئے اور امپائر کے دنوں کے تعمیر شدہ عالیشان عمارتیں خستہ وشکستہ ہو کر

ملبہ کا ڈھیر ہونے لگیں۔ سیاسی طاقت کے زوال کی وجہ سے شاہراہیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر استعمال کے قابل نہ رہیں۔ جس کی وجہ سے گاؤں وشہر اور آبادیاں ایک دوسرے سے کٹ گئیں۔ شاہراہوں کی اس تباہی کے ساتھ ساتھ، ڈاکوؤں اور لٹیروں کی سرگرمیوں نے تاجروں کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ تجارتی مال لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکیں۔ اس لئے شہروں کے زوال کے ساتھ ساتھ تجارت کا بھی زوال ہوا۔

ان حالات میں ہر گاؤں اور قصبے کی یہ ضرورت بن گئی کہ وہ خود کفیل ہو۔ اس لئے گاؤں محض کاشتکاروں کا نہیں رہا بلکہ آبادی کی دوسری ضروریات پوری کرنے کے لئے یہاں موچی، جولاہا، لوہار، معمار، اور دوسرے دست کار و ہنر مند آ گئے جنہوں نے معاشی طور پر گاؤں کو خود کفیل بنانے میں مدد دی۔ اس سیاسی ابتری کے زمانہ میں وہ سردار کہ جس کے پاس فوج تھی اسے یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کے سہارے کسانوں کو اپنی فصل، اور گھروں کی حفاظت کی ضرورت تھی، اس لئے انہوں نے فوجی سردار کی حفاظت میں آنا قبول کر لیا۔ لہٰذا جہاں ایک طرف گاؤں معاشی طور پر خود کفیل ہوا، وہاں اس کے انتظامات فیوڈل لارڈ کے پاس چلے گئے۔ اب وہ گاؤں کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے لگا، اس کی اپنی عدالت تھی جہاں وہ لوگوں کے جھگڑے اور مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔ اس کو یہ اختیار تھا کہ وہ سخت جرائم پر سزائے موت دے، یا جرمانہ عائد کرے۔ لوگوں پر ٹیکس لگانا، قیمتوں کا تعین کرنا، ان کی سہولت کے لئے سڑکیں و پل بنوانا اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ اس کی رہائش گاہ ایک شاندار محل ہوا کرتی تھی۔ اس طرح تیسری صدی سے لے کر پانچویں صدی عیسوی کے درمیان کسانوں اور فیوڈل لارڈز میں جو تعلقات اور رشتے پیدا ہوئے ان میں سب سے اہم عنصر یہ تھا کہ فیوڈل لارڈ ان کا سرپرست، محافظ، اور نگہبان بن گیا تھا، جو نہ صرف ان کا دفاع کرتا تھا بلکہ ان کے درمیان امن و امان بھی برقرار رکھتا تھا۔ اس کے بدلے میں لوگ اس کی اطاعت کرتے تھے اور اس کے لئے فوجی خدمت انجام دینے کے لئے تیار رہتے تھے، وہ اسے ٹیکس دیتے تھے اور اپنی زائد پیداوار اس کے حوالے کر دیتے تھے، تاکہ وہ اپنی فوج، حویلی، اور ذاتی اخراجات پورے کر سکے(۱)

جب یورپ میں کارولنجین اور سلطنتیں قائم ہوئیں تو انہوں نے اپنے جنرلوں اور

اعلیٰ عہدے داروں کو جاگیریں دیں تا کہ وہ ان کی مدد سے حکومت کر سکیں۔ لیکن جب نویں اور دسویں صدی میں یہ خاندان کمزور ہوئے تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فیوڈل لارڈز نے جاگیروں پر قبضہ کر لیا اور ان کو خاندانی طور پر موروثی بنا لیا۔ یورپ کے سیاسی حالات نے انہیں خود مختار ہونے میں مدد دی۔ کیونکہ جب عربوں، نورز (Norse) اور میگائرز (Magyers) نے امپائر پر حملے شروع کئے تو ان حملوں کے نتیجہ میں مرکزی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی اور مقامی فیوڈلز اپنے اختیارات بڑھاتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے علاقوں کی دفاع کی ذمہ داری خود لے لی (۲)

چونکہ اس دور میں حملہ آوروں کے مقابلے کے لئے گھڑ سواروں کی ضرورت ہوتی تھی، اس لئے فرانس، نارمن انگلستان اور اسپین میں گھڑ سواروں کی اہمیت بڑھ گئی۔ ان حملوں کی وجہ سے، حفاظت کی خاطر لوگ اپنے گھر، لارڈ کے قلعہ یا قلعہ بن خانقاہ کے گرد بناتے تھے۔ اسی لئے لارڈ کا لفظ لاوارڈ (Law-Ward) سے نکلا ہے۔ اس کے برعکس ڈیوک کے معنی اس شخص کے ہیں کہ جو راہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح سے سربراہ کے لئے لاطینی میں ڈومی نس (Dominus) اطالوی میں سینور (Senior) فرانسیسی میں سینیر (Seigneur) جرمن میں ہر (Herr) اور انگریزی میں یہ لارڈ ہو گیا۔ اس کے محل کے گرد پچاس سے لے کر پانچ سو تک کسان رہا کرتے تھے۔ گاؤں جائیداد کا ایک حصہ ہوتا تھا جس کے انتظام کے لئے عہدے دار لارڈ مقرر کرتا تھا۔ لارڈ کی اس قربت کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں میں اس کے لئے وفاداری کے جذبات پیدا ہوئے۔ (۳)

فیوڈل ازم کی بنیاد باہمی تعلقات اور وفاداری پر تھی۔ کسان اپنے لارڈ کے لئے فوجی خدمات سرانجام دیتا تھا جس کے عوض وہ اسے موروثی طور پر کاشت کے لئے زمین دے دیتا تھا۔ اس کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ معمولی فیس دے کر اس کا تندور روٹی پکانے کے لئے، اس کی مل آٹا پینے کے لئے، اس کے آلات شراب کشید کرنے کے لئے اور اس کا جنگل لکڑیاں کاٹنے کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ لارڈ کسانوں کی اہمیت کی وجہ سے ان کی بے دخلی سے گریز کرتا تھا بلکہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ وہ اس کی زمین پر انہیں (۴) برقرار رکھے۔

ابتداء میں جاگیر یا زمین کی موروثی حیثیت نہیں تھی، فیوڈل لارڈ جسے یہ زمین

دی گئی تھی اس کے مرنے کے بعد خاندان کا حق اس پر سے ختم ہو جاتا تھا۔ مگر بعد میں اس میں تبدیلی آئی اور ان خاندانوں نے جو جاگیروں کے مالک تھے یہ کوشش کی کہ اسے موروثی کر دیا جائے۔ ۸۶۸ء میں چارلس دی بالڈ کے زمانہ میں وراثت کا اصول اس شرط پر قائم ہوا کہ اگر لڑکا قابل و لائق ہو تو وہ وارث ہوگا۔ لیکن لڑکے کی قابلیت و ذہانت کے بارے میں معیار قائم کرنا مشکل تھا اس لئے اس شرط نے جائیداد پر خاندان کا حق قائم کر دیا۔(۵)

آگے چل کر جائیداد و جاگیر کی کئی شکلیں ابھریں، مثلاً اس کی ایک شکل یہ تھی کہ جاگیر کو وقتی طور پر یا زندگی بھر کے لئے کسی امیر یا جاگیردار کو استعمال کے لئے دے دیا جائے تا کہ اس کا لینے والا اس سے فائدہ اٹھائے۔ جاگیر کی دوسری قسم قابل ورثہ ہوتی تھی پہلے زندگی بھر کے لئے دی جاتی تھی، پھر اسے وراثت میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ تیسری قسم وہ جاگیر تھی جو تین پشتوں کے لئے دی جاتی تھی۔(۶)

وراثت کے اصول کے تحت جائیداد بڑے لڑکے کو ملتی تھی۔ رومیوں میں یہ اصول نہیں تھا۔ لیکن بعد میں جائیداد کے تحفظ کے لئے یہ اصول قائم ہوا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ چونکہ بڑا لڑکا پختہ ذہن کا مالک ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جائیداد اس کے پاس جائے جو اسے برقرار رکھ سکے اور فوجی خدمات و معاشی ضروریات کو بحسن و خوبی سرانجام دے سکے۔ چھوٹے لڑکے جائیداد سے محروم ہو کر دوسری خدمات پوری کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر فوجی مہم جو بن جاتے تھے اور خود سے علیحدہ جائیداد بناتے تھے۔(۷)

ویسل

بڑے فیوڈل لارڈ اپنے متوسلین کو جو ویسل (Vassal) کہلاتے تھے ان کی خدمات کے عوض زمین کا ایک حصہ معہ کسانوں کے دے دیتے تھے۔ مگر زمین کا مالک لارڈ ہی رہتا تھا۔ یہ ویسل اپنی زمین کو آگے چل کر اور دوسرے متوسلین کو دے سکتا تھا، اور ان کے درمیان تعلقات و شرائط کی نوعیت وہی ہوتی تھی، جو کہ اس کے اور لارڈ کے درمیان ہوتی تھی۔ اس طرح معاشرہ میں جاگیرداروں کی درجہ بندی ہوگئی۔ اس میں سب سے اوپر بادشاہ ہوتا تھا، پھر فیوڈل لارڈ، پھر اس کے ویسلز اور پھر ان کے ویسلز۔ انہیں آپس میں

ملانے والا رشتہ ان کے معاشی و سیاسی مفادات ہوتے تھے۔ یہ نہ صرف ایک دوسرے کے وفادار رہتے تھے بلکہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے تھے۔

ایک ویسل لارڈ سے جا گیر پانے کے بعد مخصوص قسم کی رسومات سے گزرتا تھا۔ جا گیر کے عوض اس کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ لارڈ کی خدمت کرے۔ اس کے لئے اسے باقاعدہ عہد لینا پڑتا تھا، یہ عہد بائبل یا مقدس تبرکات پر لیا جاتا تھا۔ بائبل یا تبرکات کی اہمیت قرون وسطی میں عقیدے کے لحاظ سے تھی۔ کیونکہ اس کے بعد بدعہدی کرنے والا خدا یا ولیوں کے ساتھ بدعہدی کرتا تھا اس کی وجہ سے ان میں سزا کا خوف رہتا تھا۔

وفاداری کے عہد کی یہ رسم مجلس میں ادا کی جاتی تھی۔ اس میں ویسل ننگے سر لارڈ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور معہ ہتھیاروں کے اس کے سامنے جھک کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں کے درمیان رکھتا تھا۔ لارڈ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے ڈھک لیتا تھا، یہ وفاداری کا اظہار تھا۔ لارڈ اس عمل سے اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتا تھا۔ ہاتھوں کے اس عمل سے خود سپردگی یا خود کو دوسرے کے حوالے کرنا تھا۔ اسی سے یہ محاروے نکلے ''ہاتھ تھمانا'' ''ہاتھ میں ہاتھ'' دینا وغیرہ اس کے بعد وہ لارڈ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھااور اس سے وفاداری کا عہد کرتا تھا۔ اس رسم کے بعد لارڈ اسے اٹھاتا تھا اور اس کو بطور علامت گھاس، عصا، اور دستانے دیتا تھا۔

ویسل اس سے یہ عہد کرتا تھا کہ وہ اپنے لارڈ پر کبھی حملہ نہیں کرے گا۔ اگر اس کے خلاف کوئی سازش ہوگی تو اسے اطلاع دے گا۔ جنگ میں اس کی مدد کرے گا اور اسے میدان جنگ میں تنہا نہیں چھوڑے گا وہ —— لارڈ کی بیوی، بہن، یا بیٹی کو نہ تو ورغلائے گا اور نہ ہی ان کی عزت لوٹنے کی کوشش کرے گا۔ عہد نامہ ٹوٹنے کی وجوہات یہ تھیں کہ اگر لارڈ اسے قتل کرنے کی کوشش کرے، اسے مارے، اس کی جائیداد میں سے حصہ لے، اسے غلام بنانے کی کوشش کرے، اس پر تلوار سے حملہ کرے، اس کی حفاظت نہ کرے، اس کی بیوی ولڑکی کو ورغلائے، ایسی صورت میں ویسل دستانے پھینک کر وفاداری کا عہد توڑ لیتا تھا۔(۸)

نویں صدی تک جاتے جاتے یہ صورت ہوئی کہ ایک ویسل کئی لارڈز رکھ لیتا تھا۔اس وجہ سے عہد نامہ کمزور ہوگیا۔ کیونکہ اگر ان لارڈز کے درمیان جنگ ہو جائے کہ

جن کا وہ ویسل ہے تو اس کے لئے یہ مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ کس کا ساتھ دے۔(۹)

اس عہد نامہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سیاسی حالات کی وجہ سے لارڈ اور ویسل کے درمیان بد اعتمادی کی فضا موجود تھی، اس لئے وہ عہد نامہ کو جس میں ایک طرف مذہب شامل ہو جاتا تھا اور دوسری طرف رسومات اور لوگوں کی شہادت، ان بنیادوں پر وہ اسے مستحکم کرتے تھے، دونوں جانب سے عورتوں کے سلسلہ میں جو عہد لیا جاتا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کس قدر غیر محفوظ تھی، اس لئے اس کی حفاظت کے لئے عہد نامہ میں اس دفعہ کو شامل کر دیا گیا۔ لیکن تاریخی شہادتوں سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس عہد نامے کے باوجود دونوں طرف سے بد اعتمادی کی فضا قائم رہتی تھی، اور موقع ملنے پر دونوں ہی اپنے عہد کو توڑنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

ابتداء میں ویسل کو ملنے والی جاگیر موروثی نہیں ہوتی تھیں۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ موروثی ہوگئی۔ باپ کے مرنے پر بیٹا کچھ رقم دے کر اس کا وارث ہو جاتا تھا۔ اگر لڑکا نا بالغ ہوتا تو اس صورت میں یہ لارڈ کی وارڈ شپ میں رہتا تھا۔ لڑکی کی صورت میں بھی وارڈ شپ کا دستور تھا۔ ویسل کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ اگر لارڈ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے تو اس کی تاوان کی رقم میں وہ حصہ دے گا۔ جب لارڈ کا بڑا لڑکا نائٹ ہوتا اور اس کی لڑکیوں کی شادی ہوتی تو اس صورت میں بھی ویسل کو رقم دینی ہوتی تھی (۱۰)

چرچ بطور فیوڈل ادارہ

یورپ میں چرچ بھی ایک فیوڈل ادارہ بن گیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ اور بڑے فیوڈل لارڈز ثواب کی خاطر اور چرچ کی حمایت کی خاطر اسے بطور عطیہ زمین دیا کرتے تھے۔ اس نے چرچ کو یورپ کا سب سے بڑا فیوڈل ادارہ بنا دیا۔ چرچ کے عہدے دار آرچ بشپ۔ بشپ اور ایبٹ بادشاہ سے وفاداری کا حلف لینے لگے اور انہیں ڈیوک و کاؤنٹ کے خطابات ملنے لگے۔ یہ جاگیریں چونکہ چرچ کی ملکیت ہوتی تھیں، اس لئے اس کے منتظمین اور عہدے دار بدلتے رہتے تھے مگر ان کی آمدنی چرچ کو جاتی تھی۔ چرچ کی دولت کی وجہ سے طبقہ امراء کے لڑکے چرچ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔ چرچ

کو بھی فیوڈل لارڈز کی طرح سکہ ڈھالنے، عدالت میں فیصلے کرنے، زراعت کا انتظام سنبھالنے، اور فوجی خدمات انجام دینے کے اختیارات ہوتے تھے۔

خاص حالات میں جب حکمرانوں کی مالی حالت خراب ہوتی تھی تو اس وقت وہ چرچ کی زمینوں پر قبضہ بھی کر لیتے تھے۔ مگر اس کا انحصار اس پر تھا کہ حکمراں کس قدر طاقتور ہے۔ فرانسیسی انقلاب میں بھی چرچ کی زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں فروخت کر دیا گیا تھا کیونکہ اس وقت ریاست کی مالی حالت خراب تھی اور اسے اپنے دفاع کے لئے پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔

سرف یا کسان

فیوڈل نظام میں سرف یا کسان اپنے لارڈ کی زمین پر کاشت کرتا تھا۔ اس کے مالک کو اس بات کی آزادی تھی کہ وہ جب چاہے اسے زمینوں سے بے دخل کر دے۔ اس کے مرنے پر اگر مالک چاہتا تھا تو کاشت کا حق اس کے لڑکوں کو دے دیتا تھا۔ فرانس میں مالک اپنے سرف کو فروخت بھی کر سکتا تھا، یا وقتی طور پر اس کی محنت کا معاوضہ لے کر اس کی خدمات دوسرے کے حوالے کر دیتا تھا۔ اگر وہ آزادی کا خواہش مند ہوتا تو اسے اپنا تمام اثاثہ مالک کے حوالے کرنا پڑتا تھا۔ روس میں جب جاگیر فروخت کی جاتی تھی تو اس کے ساتھ میں کسانوں کو بھی فروخت کر دیا جاتا تھا، اس طرح انہیں زمین کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ انگلستان میں کسانوں کو بھی فروخت کر دیا جاتا تھا، اس طرح انہیں زمین کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ انگلستان میں کسان پر پابندی تھی کہ وہ گاؤں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا، اگر وہ فرار ہوتا تو اس کا ایسے ہی تعاقب کیا جاتا جیسے بھاگے ہوئے غلام کا۔

اسے لاتعداد ٹیکس دینے ہوتے تھے۔ فیوڈل لارڈز کی معرفت حکومت کا ٹیکس، اس کے بعد فصل، مویشیوں اور چرچ کا ٹیکس۔ کھیت میں کام کے علاوہ بیگار کے طور پر اس سے جنگل صاف کرائے جاتے تھے۔ دلدیں پایاب کرائی جاتی تھیں، ان کے علاوہ نہروں کا کھودنا اور نہروں پر بند باندھنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھے۔ اسے لارڈ کا اناج پینا، روٹی پکانا اور بیئر کشید کرنا بھی پڑتا تھا۔ اگر لارڈ کی مرضی ہوتی تو اس کے کام کا اسے معمولی معاوضہ دے دیا کرتا تھا۔ اگر وہ دریا یا نہر سے مچھلیاں پکڑتا، جنگل میں شکار کرتا، اور خالی

زمینوں پر مویشی چراتا تو اسے ان کا بھی ٹیکس دینا پڑتا تھا۔

اگر اس کا کوئی مقدمہ لارڈ کی عدالت میں جاتا تو اس کے جرم کے حساب سے اسے فیس دینی ہوتی تھی۔ اگر اس کا لارڈ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا تو اس کے تاوان کی رقم بھی انہی سے لی جاتی تھی۔ وہ مارکیٹ یا گاؤں کے میلے میں جو چیز بھی فروخت کرتا تو اس پر ٹیکس دینا ہوتا تھا۔ اسے یہ اجازت نہیں تھی کہ مارکیٹ میں وہ لارڈ کی بیر یا شراب سے پہلے اپنی بیر یا شراب بیچے۔ اگر اس کا لڑکا تعلیم حاصل کرنا چاہتا یا چرچ کی ملازمت کا خواہش مند ہوتا تو اسے جرمانہ دینا پڑتا تھا، کیونکہ اس صورت میں کھیت میں کام کرنے والے کم ہو جاتے تھے۔ اسی لئے جب انگلستان میں سنڈے اسکول شروع ہوا تو فیوڈل لارڈز کی طرف سے یہ شرط تھی کہ لڑکوں کو صرف پڑھنا سکھایا جائے لکھنا نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ ملازمت کر کے باہر جا سکتے تھے۔

اگر وہ لڑکے یا لڑکی کی شادی کرتا تو اسے اس کے لئے اجازت لینی ہوتی تھی۔ پرانی روایت کے تحت لارڈ کو پہلی رات کا حق تھا، بعد میں کسان جرمانہ دے کر اس حق کو خرید لیتا تھا، اگر کسی لڑکی یا عورت کے کسی سے نا جائز تعلقات ہوتے تھے تو لارڈ اس کی تمام اشیاء ضبط کر لیتا تھا۔ اگر کسان لاولد مر جاتا تو اس صورت میں اس کے مکان پر لارڈ قبضہ کر لیتا تھا۔(۱۱)

کسان کی زندگی ٹیکسوں کی بہتات اور کم آمدنی کی وجہ سے انتہائی مفلسی وعسرت میں گزرتی تھی۔ اس کے رہنے کے لئے کچے مکانات ہوتے تھے جن میں مشکل سے ایک یا دو کمرے ہوتے تھے۔ یہیں پر آتشدان، تندور اور آٹا گوندھنے کی ناند ہوتی تھی۔ آتشدان کے قریب گھاس یا پروں سے بھرا ہو گدا ہوتا تھا۔ اس پر رات کو تمام گھر والے سویا کرتے تھے۔ صفائی کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس لئے کمرے میں سخت بدبو ہوا کرتی تھی۔ مکان کے قریب مویشیوں کا باڑا ہوتا تھا۔

کسان کا لباس سادہ ہوتا تھا۔ قمیض کپڑے یا کھال کی بنی ہوتی تھی۔ ان کی اکثریت ان پڑھ ہوتی تھی، لیکن اگر کوئی لکھ پڑھ جاتا تھا تو وہ ان پڑھ فیوڈل لارڈ کے لئے غصہ وتوہین کا باعث ہوتا تھا۔ حالات کی سختی نے اس میں غصہ، درشتگی اور کھردرا پن پیدا کر دیا تھا۔ اس ماحول میں توہم پرستی فروغ پر تھی۔ مذہب سے اسے کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا مگر

مجبوراً اسے عبادت میں شرکت کرنی پڑتی تھی۔(۱۲)

اس کا سماجی رتبہ معاشرہ میں انتہائی کم تر تھا۔ نہ تو اسے قابل عزت سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اس کا احترام کیا جاتا تھا۔ اطاعت وفرماں برداری اور وفاداری کے جذبات نے اس کی شخصیت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ اعلیٰ طبقہ کی نظروں میں وہ ایک جاہل، وحشی، اجڈ، اور غیر مہذب تھا جس کے کوئی حقوق نہیں تھے، صرف فرائض تھے۔ سیاسی وسماجی شعور کی کمی کی وجہ سے وہ اس نظام کا عادی تھا اور اس کے خلاف بغاوت کو وہ جرم گردانتا تھا۔

۱۸۹۷ء میں چیخوف نے روس کے کسانوں کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ لوگ گاؤں میں مویشیوں کی طرح رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ اٹھنا و بیٹھنا دوبھر ہے کیونکہ یہ جاہل، غلیظ، گندے، بے ایمان اور نشہ باز ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ پر امن نہیں رہ سکتے کیونکہ یہ جھگڑالو ہیں۔ وہ ہر ایک پر شبہ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ اور ہر ایک سے ڈرتے ہیں۔ پھر وہ یہ سوال کرتا ہے کہ آخر ان کی یہ حالت کیوں ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کیونکہ یہ سخت محنت کرتے ہیں، سردی کی سختی، خراب فصلوں، کھانے کی کمی، اور کسی مدد کی توقع نہ ہونے سے ان کا کردار اس طرح سے تشکیل پا گیا ہے۔(۱۳)

کسان کی زندگی میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا، اور نہ تبدیلی کا کوئی عنصر ان کے روز مرہ کے معمولات میں فرق لاتا تھا۔ یہ ویلن(Villein) کہلاتے تھے جس کا مطلب تھا کہ لارڈ کے غلام یا اس کے تابعدار۔ اسی سے بعد میں ویلنیٹی(Villanity) کا لفظ نکلا جس کے معنی بدمعاشی اور غنڈہ گردی ہو گئے۔ کسانوں میں کوئی ہیرو یا عظیم شخصیت پیدا نہیں ہوئی کہ جسے تاریخ میں بڑا تسلیم کیا گیا ہو۔ انہیں باغی، مسخرے، اور بھانڈ سمجھا جاتا تھا، مگر یہی لوگ تھے جو محنت کرتے تھے، پیداواری عمل میں حصہ لیتے تھے، انہیں کی محنت سے کمائی ہوئی دولت پر فیوڈل ازم کلچر کی بنیاد تھی۔ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ جو کلچر انہوں نے پیدا کیا، اسی میں ان کو حقیر سمجھا گیا۔ چرچ اور کیتھڈرل، محلات و باغات، ادب وشاعری، رقص و موسیقی، جو ان کی محنت کے نتیجہ میں تخلیق ہوئی اسی میں سے یہ غائب ہیں۔ چرچ اور کیتھڈرل میں ان کی جگہ سب سے پیچھے ہوتی تھی۔ مصوروں اور مجسمہ سازی کے وقت ان کو چھوٹا ور بھدا دکھایا جاتا تھا، شعر وشاعری میں ان کا تمسخر اڑایا جاتا تھا اور تاریخ کے صفحات

میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔

لیکن ایسا نہیں تھا کہ کسان محض ظلم سہنے والے ہوں۔ تاریخ میں ان کی بغاوتیں بھی ہیں کہ جو وقتاً فوقتاً انہوں نے فیوڈل نظام اور اس کی سختیوں کے خلاف کیں چودھویں صدی کے اندر کسانوں کی بغاوتوں کا ایک سلسلہ ہے جو مغربی یورپ میں چلا۔ ۱۳۲۳ء سے لے کر ۱۳۲۷ء میں فلانڈرس میں ۱۳۵۸ء میں پیرس کی بغاوت اور ۱۳۸۱ء میں انگلستان میں ایسٹ انگلیسا میں۔ اسپین اور جرمن میں بھی کسانوں کی بغاوتیں ہوئیں۔ اٹھارویں صدی میں روس میں پگاشوف کی سربراہی میں سب سے بڑی کسانوں کی بغاوت ہوئی۔ اگرچہ ان بغاوتوں کو سختی سے کچل دیا گیا مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ کسانوں میں نا انصافی اور ظلم کے خلاف شعور موجود تھا، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ محض وحشی اور جاہل تھے اور نظام سے مطمئن تھے۔

امتیازات اور مراعات

فیوڈل معاشرے کی اہم خصوصیت طبقاتی فرق کو برقرار رکھنا بلکہ اسے مضبوط بنانا تھا۔ اس لئے اس کا اظہار ان امتیازات اور علامات سے کیا جاتا تھا کہ جو طبقہ اعلیٰ کے پاس تھیں۔ مثلاً ہتھیار رکھنے کی اجازت صرف امراء کو تھی، گھوڑے پر سوار ہو کر لڑنا، اور ہتھیار بند ہو کر لڑنا بھی امراء کے لئے مخصوص تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی اس زمانہ میں ہتھیار اور جنگ کا اسلحہ اتنا مہنگا تھا کہ صرف امراء ہی انہیں خرید سکتے تھے۔ اس لئے پہلے یہ ان کی مراعت بنی اور پھر قانون بن گیا (۱۴) اس کے علاوہ فرق کو قائم رکھنے کے لئے نائٹ، امیر، اور فیوڈل لارڈ کے لئے کاشتکاری کرنا، ہاتھ سے کام کرنا، اور محنت کرنا ممنوع ہو گیا۔ (۱۵)

فیوڈل لارڈ کی برتری اور اقتدار کو قائم کرنے کے لئے اسے یہ حق تھا کہ وہ اپنی رعایا کو سزا دے سکتا ہے۔ اس لئے اس عہد میں ہمیں سخت اور مثالی سزاؤں کا ذکر ملتا ہے کہ جن میں کوڑے مارنا، چہرے کو داغنا، دروغ گوئی وتوہین کے کلمات ادا کرنے پر زبان کو گرم لوہے کی سلاخ سے چھیدنا، جسم کے حصوں کو کاٹنا، مسخ کرنا، ہاتھ، پیر اور ناک جسم سے علیحدہ کرنا، آنکھیں نکالنا، اور عورتوں کے قاتل کو زندہ دفن کرنا، شامل تھے۔ (۱۶) ان

سزاؤں کی وجہ سے کسان اور عام آدمی مکمل طور پر اپنے لارڈ کے رحم و کرم پر تھا۔

سزاؤں کی سختی اس وجہ سے تھی کیونکہ محروم و مفلس کسان اپنی زندگی کی بقا کے لئے چوری بھی کرتا تھا، جرم کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولتا تھا، غصہ میں آ کر وہ توہین آمیز کلمات بھی زبان سے نکال دیتا تھا۔ اس کے ان دبے ہوئے جذبات اور غم و غصہ کو روکنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ اسے سخت سزا دی جائے کہ جس کے خوف سے وہ خاموش رہے، اور دوسروں کو ان سزاؤں سے عبرت ہو۔

نائٹ

فیوڈل معاشرے میں تین طبقے اہم ہوتے تھے عبادت کرنے والے، لڑنے والے، اور کام کرنے والے، ان میں اہم طبقہ کا کہ جس کے پاس قوت طاقت اور دولت تھی وہ جنگ جوؤں کا تھا۔ جنگ زمین کی حفاظت کے لئے بھی لڑی جاتی تھی، اور دوسروں کی زمین پر قبضہ کے لئے بھی۔ اس لئے اس عہد میں جنگ ایک پیشہ بن گئی تھی، ایک ایسا باعزت اور باوقار پیشہ کہ جس کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا جاتا تھا۔ جنگ جویانہ مہارت معاشرے میں قابل احترام خصوصیت بن گئی تھی۔ ان حالات میں قرون وسطی میں نائٹوں کے سلسلے وجود میں آئے۔ ان پر عربوں کی قائم کی ہوئی تحریک فتوی کا اثر تھا۔(۱۷)

نائٹوں کے مختلف سلسلے عزت و عظمت اور وقار کی نشانی بن گئے اس لئے اس میں فیوڈل خاندان کے لڑکوں نے شمولیت اختیار کرنی شروع کر دی۔ اکثر خاندان کا بڑا لڑکا نائٹ بنتا تھا کیونکہ وہی اس قابل ہوتا تھا کہ جو اس کے اخراجات برداشت کر سکتا تھا۔ نائٹ کی تربیت سات یا آٹھ سال کی عمر سے شروع ہو جاتی تھی۔ اس عمر میں وہ دربار میں بطور پیج (Page) یعنی خدمت گار کے رہتا تھا۔ بارہ سے چودہ سال کی عمر وہ لارڈ کا اسکوئر ہو جاتا تھا۔ اس مرحلہ پر اس کو جنگ کی تربیت دی جاتی تھی وہ مختلف قسم کے کھیلوں میں حصہ لیتا تھا۔ جب اس کی تربیت مکمل ہو جاتی تھی تو نائٹ کی رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ ''نائٹ آف دی باتھ'' کو غسل دینے کے بعد سلسلے میں شامل کیا جاتا تھا۔ ''نائٹ آف دی سورڈ'' وہ ہوتے تھے کہ جنہوں نے کسی جنگ میں فتح حاصل کی ہو۔ نائٹوں کا اپنا مخصوص لباس ہوتا تھا۔ اس میں سفید چوغہ، سرخ جبہ اور کالا کوٹ ہوا کرتے تھے۔ یہ تینوں علامتی طور

پر کردار کی صفائی، خدا کے لئے خون بہانا، اور موت کے لئے تیار رہنے کو ظاہر کرتے تھے۔

نائٹ کی رسم سے پہلے وہ رات بھر چرچ میں عبادت کرتا تھا۔ پھر اسے مقدس میز پر تلوار گلے میں ڈال کر لایا جاتا تھا۔ یہاں پادری تلوار اتار کر اسے واپس دے دیتا تھا۔ اس کے بعد وہ اس لارڈ کے پاس جاتا جس سے اسے نائٹ ہڈلینی ہوتی تھی۔ اس موقع پر وہ اس سے درشتگی سے یہ سوال کرتا تھا کہ ''تم کس مقصد کے لئے اس سلسلہ میں آنا چاہتے ہو؟'' اس کے جواب کے بعد اسے نائٹ کا لباس پہنایا جاتا تھا۔ اسلحہ دیا جاتا تھا، اور پھر اس خوشی میں دعوت کا انتظار ہوتا تھا۔(۱۸)

جب نائٹ ہونا امتیاز ہو گیا۔ تو اس کے محدود کرنے کی کوششیں ہوئیں تا کہ یہ امتیاز چند مخصوص لوگوں کے پاس رہے۔ اس لئے تیرھویں صدی میں یہ اصول قائم ہوا کہ نائٹ وہی ہوسکتا ہے جس کا باپ بھی نائٹ ہو۔ اس طرح اس کو بھی موروثی بنا دیا گیا۔ ۱۱۸۹ء میں یہ قانون بنایا گیا کہ کسانوں کے لڑکے نائٹ نہیں ہو سکتے ہیں۔(۱۹) ان قوانین سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امراء اور فیوڈل لارڈ کے طبقوں کے علاوہ دوسرے طبقوں کے لوگ بھی اپنی ذاتی صلاحیتوں اور خوبیوں کی وجہ سے نائٹوں کے سلسلہ میں آ رہے تھے اور شاید ان کی وجہ سے قدیمی و موروثی نائٹوں کو مقابلہ کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا ہو، اس لئے انہوں نے مقابلہ سے بچنے کے لئے یہ اصول وضع کیا کہ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو صرف نائٹوں کے خاندان میں رہنا چاہئے۔ لیکن یہ بات بھی آگے چل کر ظاہر ہو گئی کہ جب نائٹوں نے خود کو محدود کر لیا تو اس صورت میں اس ادارے میں زوال آنا شروع ہو گیا اور جن روایات کی بناء پر اس ادارے نے شہرت حاصل کی تھی وہ روایات مسخ ہونا شروع ہو گئیں۔

نائٹ کو اپنی زندگی اور اپنے عمل کو ایک اعلیٰ معیار پر قائم رکھنے کے لئے بہت سے عہد لینا پڑتے تھے۔ خصوصیت سے ایسی باتوں اور مشغلوں سے پرہیز کرنا پڑا تھا کہ جن میں لذت، تفریح اور لطف ہو۔ جیسے اچھا کھانا شراب، جنسی تعلقات، کھیل ولباس، آرام دہ بستر، رقص و موسیقی وغیرہ۔ ان کے ہاں سب سے زیادہ زور عورتوں کی عزت پر تھا، ان کی حفاظت کے لئے یہ جان تک دے دیتے تھے۔ اگر کسی سے اس کے خلاف ورزی ہو جاتی تھی تو اس کے نتیجہ میں اس کی عزت اور وقار ختم ہو جاتا تھا۔ نائٹ ہڈ کے سلسلوں میں

شولری (Chivalry) کا ایک خاص تصور تھا جس کے تحت مظلوموں و زیر دستوں کی حفاظت دادرسی، ان کے حق کے لئے لڑنا اور اپنے مفادات کو پس پشت ڈالنا شامل تھا۔ ان کے لئے بہترین موت وہ تھی کہ جو میدان جنگ میں ہو۔

نائٹوں کے سلسلوں کو صلیبی جنگوں کی وجہ سے بڑا عروج ملا کیونکہ یہ جنگیں ان کے لئے مذہبی ہو گئیں اور ان میں لڑنا باعث ثواب ہو گیا۔ مگر اس کے علاوہ بھی یہ ہمیشہ جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے۔ جنگ کے لئے ان کے اصول وضوابط تھے۔ مثلاً لینٹ (Lent) کے موسم میں کہ جو ایسٹر سے پہلے ہوتا تھا یا جب فصلیں تیار ہوتی تھیں 15/اگست سے 11/نومبر تک) چھٹیوں کے دنوں میں ہر ہفتہ میں کچھ دن یعنی بدھ کی رات سے پیر کی صبح تک، یہ جنگ نہیں کرتے تھے۔ جب یہ عارضی صلح کرتے تو یہ ۸۰ دن کی ہوتی تھی (۲۰)۔

اگر نائٹ جنگ میں قید ہو جاتا تو اسے تاوان دینا پڑتا تھا۔ یہاں بھی طبقاتی فرق کو قائم رکھا گیا تھا۔ غریب سپاہیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا کیونکہ وہ اس قابل نہیں ہوتے تھے کہ تاوان کی رقم ادا کر سکیں ۔ امراء اور نائٹوں سے تاوان لیا جاتا تھا۔ ایک نائٹ کو اس وعدہ پر چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ تاوان کی رقم لے کر آئے گا۔ اکثر وہ یہ وعدہ پورا کرتا تھا کہ قید کے دوران، تاوان کی ادائیگی تک وہ میزبان کی فیاضی سے لطف اٹھاتا تھا۔ اس کے ساتھ شکار کھیلتا تھا، دعوتیں اڑاتا تھا، مگر فرار ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ (۲۱)

جب جنگ نہیں ہوتی تو یہ ٹورنامنٹ میں حصہ لیا کرتے تھے جہاں دو نائٹوں کے درمیان تلوار بازی اور نیزہ زنی کے مقابلے ہوتے تھے۔

نائٹ کی فوجی طاقت کا اس وقت زوال شروع ہوا جب بارود کا استعمال شروع ہوا۔ چونکہ بندوق اور توپ دور سے نشانہ بناتی تھیں، اس لئے اب جنگ عزت و وقار کا ذریعہ نہیں رہی۔ اس ایجاد نے اس کی ذاتی بہادری وشجاعت پر گہری ضرب لگائی کیونکہ وہ گھوڑے پر سوار دشمن سے مقابلہ کرنے کو بہادری سمجھتا تھا۔ بارود کی ایجاد سے بادشاہ کی طاقت کو بھی بڑھایا کیونکہ اس کے بعد فیوڈل لارڈز کے قلعہ و حویلیاں اس کی توپوں کی زد میں تھیں کہ جن سے وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے فیوڈل لارڈز کی خود مختاری کی جگہ مطلق العنان اور طاقت ور حکمرانوں کا سلسلہ شروع ہوا جنہوں نے انہیں زیر کر کے اپنے

ماتحت کر لیا اور مرکزی حکومت کو طاقت ور بنالیا۔

فیوڈل لارڈ کا رہن سہن

فیوڈل نظام میں سب سے زیادہ اہم شخصیت فیوڈل لارڈ کی ہوا کرتی تھی جس کے رہن سہن میں اس نظام کی تمام خصوصیات پوری طرح سے جھلکتی تھیں۔ ایک طرف وہ انتہائی طاقت ور اور کسانوں کا استحصال کرنے والا تھا، تو دوسری طرف وہ ان کا سر پرست، محافظ اور نگہبان ہوا کرتا تھا۔ عہد وسطیٰ میں ایک زمیندار کے طرز زندگی اور رہن سہن کے بارے میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اس طرح سے ہے۔ اس کی طاقت وقوت اور دولت کی سب سے بڑی علامت اس کا قلعہ نما گھر ہوا کرتا تھا جس کے ارد گرد خندق کھود کر اسے محفوظ کیا جاتا تھا۔ اس کا یہ قلعہ اسے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتا تھا، اور جب لوگ اس سے ملنے کے لئے ان رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے جاتے کہ جو قلعہ کے راستہ میں ہوتیں تھیں تو انہیں اپنے آقا اور مالک کی قوت کا احساس ہوتا تھا اور جب وہ تمام مشکلات کو سہہ کر اس تک پہنچتے تو انہیں کامیابی کا احساس ہوتا کہ وہ ایک مشکل راہ طے کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

قلعہ کے برجوں پر پہرہ ہوتا تھا اور یہاں پر ہر آنے و جانے والے پر نگاہ رکھی جاتی تھیں۔ اس کا نفسیاتی اثر بھی مہمانوں پر ہوتا تھا۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو دور سے ان پہریداروں کو دیکھتے تھے وہ خود کو ہمیشہ نگرانی میں گھرا ہوا پاتے تھے جس کی وجہ سے جاگیردار کی شخصیت ان کے ذہنوں پر سوار رہتی تھی۔ اس قلعہ کی دیواریں بھی اندر اور باہر والوں کے درمیان حد فاصل قائم کرتی تھیں۔ جن لوگوں کو ان دیواروں کے اندر آنے کی اجازت مل جاتی تھی، وہ جاگیرداروں کے ساتھ قربت محسوس کرتے تھے۔ جو دیواروں سے باہر تھے، وہ اس فاصلہ کا احساس کرتے تھے کہ جو ان میں اور جاگیردار کے درمیان تھا۔

قلعہ میں ہر شخص کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف وہ آسکتے تھے کہ جن کو اس کی اجازت ملتی تھی۔ اس لئے یہ ایک مراعت تھی کہ جو صرف ان لوگوں کو دی جاتی تھی کہ جو کسی خاص اہمیت کے ہوتے تھے۔ رات کے وقت قلعہ کے دروازوں کو مقفل کر دیا جاتا تھا اور یوں اندر اور باہر والوں کے درمیان رابطہ کٹ جاتا تھا۔ اس قلعہ میں ان لوگوں کے لئے

تہہ خانے ہوتے تھے کہ جنہوں نے جاگیردار کے احکامات کی خلاف ورزی کی ہو یا جرائم میں ملوث پائے گئے ہوں۔ تہہ خانوں کی پستی اس بات کی علامت تھی کہ انہیں جرم کی سزا میں بلندی سے پستی میں گرا دیا گیا ہے۔

قلعہ میں ہر فرد کے لئے مخصوص جگہ تھی اور اسے انہیں حدود میں رہتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دینے ہوتے تھے۔ اس کے کچھ حصوں میں صرف جاگیردار کے خاص لوگ آ سکتے تھے۔ اس حد بندی کی وجہ سے بھی جو علاقے دوسروں کے لئے ممنوع تھے وہ ان کے لئے پراسرار بن گئے تھے اور قیاس آرائیوں کا مرکز تھے کہ وہاں کیا ہوتا ہے؟ یہ پراسرار ریت عام لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرتی تھی۔ ساتھ ہی اس احساس کو بھی کہ ان کا مقام کیا ہے؟

قلعہ کے مختلف حصے جاگیردار اور فیوڈل نظام کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کرتے تھے۔ مثلاً برج طاقت کی علامت تھا۔ یہ فتح و کامرانی بلندی ونگہبانی کو ظاہر کرتا تھا کہ جہاں سے پورے گاؤں کو دیکھا جا سکتا تھا۔ یہاں پر جاگیر کا انتظام بھی ہوتا تھا تو حملہ کے وقت یہاں سے ہی قلعہ کا دفاع کیا جاتا تھا۔

قلعہ میں بڑے ہال کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ کیونکہ یہ ہال اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز ہوتا تھا۔ یہاں وہ اپنے دوستوں، مہمانوں اور مصاحبوں سے ملاقات کرتا تھا۔ وہیں پر بیٹھ کر جاگیر کے بارے میں اہم فیصلے ہوتے تھے اور وہیں پر ان کے پاس باہر کی خبریں آیا کرتی تھیں۔ ہال ہی کمرہ عدالت ہوا کرتا تھا کہ جہاں فیوڈل لارڈ مجرموں کی قسمت کا فیصلہ سناتا تھا۔ ہال ہی دعوتوں کے لئے مخصوص تھا اور یہیں پر رقص و موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔

ہال ایک وسیع کشادہ اور کھلی جگہ ہوتا تھا جس میں کئی دروازے ہوتے تھے تاکہ لوگ آسانی سے آ سکیں۔ اس طرح یہ لارڈ کی شخصیت کو ظاہر کرتا تھا کہ وہ اس ہال کی طرح فیاض وسخی اور کشادہ دل ہے اور اس کے دل میں ہر ایک کے لئے گنجائش ہے۔ ہال میں جب لوگ جمع ہوتے تھ۔ تو اس سے ان اور لارڈ کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے وفاداری کے جذبات کو تقویت ملتی تھی۔

قلعہ میں کئی اور کمرے ہوا کرتے تھے جو لارڈ کی نجی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتے

تھے۔ وہ خود کو کبھی اکیلا دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے ہر وقت مصاحبوں اور ملازموں میں گھرا رہتا تھا۔

قلعہ میں مہمانوں کو ہمیشہ خوش آمدید کہا جاتا تھا کیونکہ اس سے زمیندار کی وسیع القلبی اور فیاضی ظاہر ہوتی تھی۔ ان مہمانوں کی خاطر تواضع کی جاتی تھی تاکہ جب یہ اپنے اپنے علاقوں میں جائیں تو اس کی تعریف و توصیف کریں جس سے اس کی شہرت بڑھ جاتی تھی۔ جو مہمان اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے انہیں لارڈ اپنے ساتھ کھانا کھلاتا تھا۔

لارڈ سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں خود حصہ لیتا تھا اور ان پر خصوصی توجہ دیا کرتا تھا۔ گھر والوں اور ماتحتوں کی ضروریات پوری کرنا اس کے دائرے میں آتا تھا۔ جب وہ شکار پر جاتا تو اپنے ساتھ دوستوں اور ساتھیوں کو لے جاتا تھا۔ تفریح کی غرض سے وہ جسمانی ورزش اور جنگ کے مقابلے کراتا تھا۔

بڑے فیوڈل لارڈز اپنے خاندانی شجرے رکھا کرتے تھے جن کا سلسلہ کسی مشہور شخصیت سے ہوتا تھا۔ عورتوں کو ان شجروں میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ فیوڈل لارڈز آپس میں لڑائیاں بھی لڑتے تھے۔ ان لڑائیوں کی اکثر وجوہات عزت و وقار کی پائمالی ہوتی تھی۔ (۲۲) اس لئے اس کی بحالی کے لئے بعض اوقات جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

عورتوں کی حیثیت

یورپ کے فیوڈل معاشرے میں عورت کا رتبہ انتہائی پس ماندہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے گناہوں اور برائیوں کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔ خیال یہ تھا کہ عورت مرد کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے، اس لئے ایک نیک عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لباس، حرکات وسکنات اور طرز گفتگو میں خاص خیال رکھے اور ایسی کوئی بات نہ کرے کہ جس سے مرد کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ چونکہ مرد کے جذبات عورت کے جسم کو دیکھ کر برانگیختہ ہوتے تھے اس لئے یہ ہدایات تھیں کہ وہ اپنے جسم کو چھپا کر رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ قرون وسطیٰ میں عورتیں بھاری بھرکم لباس لباسوں میں چھپی ہوتی تھیں۔ اور لباس اس قسم کا تھا کہ جس سے اس کے جسم کے خدوخال قطعی نمایاں نہ ہوں۔ عورت کو یہ بھی ہدایت تھیں کہ وہ نہ تو زور

سے بولے، نہ ہنسے، اور نہ ہی کسی سے مذاق وٹھٹول کرے، کیونک اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں کوئی حیا، شرم، اور وفا نہیں ہے۔

نئے فیشن اختیار کرنا، یا میک اپ کر کے خود کو خوبصورت بنانا، عورت کے لئے عیب تھا کیونکہ سمجھا جاتا تھا کہ خود کو خوبصورت بنا کر وہ لوگوں کو دعوت گناہ دے گی، بیوی کو یہ ہدایت تھی کہ وہ کھانے کے بعد فوراً خواب گاہ میں چلی جائے اور وہاں یا تو عبادت کرے اور یا مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرے۔

فیوڈل گھرانے میں یہ عورتوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ بچے کو پیدا کرے، ان کی پرورش اور دیکھ بھال کرے، اس کے بعد اپنا وقت گھریلو کاموں میں صرف کرے، کھانے پکانے اور کپڑے دھونے کی نگہداشت کرے، مکھن پنیر اور بیئر کی تیاری میں ہاتھ بٹائے۔ اس کے بعد جو وقت بچے اس میں کشیدہ کاری کرے۔ اگر اس کے شوہر کو جنگی قیدی بنا لیا جائے تو یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ تاوان کی رقم جمع کرے۔ اگر شوہر لاوارث مر جاتا تھا تو یہ اس کی وارث ہوتی تھی۔ مگر اسے جلد ہی دوسری شادی کرنی پڑتی تھی کیونکہ جائیداد کی حفاظت بغیر مرد کے نہیں ہو سکتی تھی۔ بادشاہ خود اس کی شادی میں دلچسپی لیتا تھا اور اس کے لئے ایک ایسے امیدوار کا انتخاب کرتا تھا جو بہترین فوجی خدمات سرانجام دے سکے۔(۲۳)

عورتوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ با عفت وعصمت رہیں اور ناجائز جنسی تعلقات سے پرہیز کریں۔ مرد جنسی تعلقات میں آزاد تھا اور کئی عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا تھا جس کی وجہ سے ناجائز بچوں کی تعداد کافی ہوا کرتی تھی۔(۲۴) لڑکیوں کی تربیت اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ اچھی بیوی بن سکیں۔ اگر ضرورت ہوتی تو انہیں تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سکھا دیا جاتا تھا۔

لڑکے اور تعلیم

فیوڈل لارڈز کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے اور اکثر اَن پڑھ رہتے تھے۔ کیونکہ قرون وسطی میں پڑھے لکھے لوگوں کے بارے میں یہ خیال تھا یہ نچلے درجہ کے لوگ ہیں۔ اور انہیں حساب کتاب کے ملازم رکھا جا سکتا ہے، اس لئے وہ چیز سیکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ جو ملازم کر سکتے ہیں۔ چونکہ معاشرے میں سماجی حیثیت اس کو

ملتی تھی کہ جس کے پاس زمین اور دولت ہو، اس لئے نوجوان لڑکے جنگجویانہ مہارت میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ہتھیاروں کا استعمال ان کے لئے پڑھنے لکھنے سے زیادہ اہم تھا۔اس لئے علم و دانش کو حقارت سے دیکھا جاتا تھا جو سستی و کاہلی اور بزدلی کی طرف لے جاتی ہے۔

فیوڈل گھرانوں کے لڑکوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ نظم وضبط، ادب و آداب اور اپنے طبقے کی خصوصیات سے آگاہ ہوں تاکہ ان بنیادوں پر وہ لوگوں میں اپنی شخصیت کو ابھار سکیں اور قابل فخر بنا سکیں۔(۲۵)

فیوڈل نظام کی خصوصیات

اس نظام کا سربراہ یا سردار بادشاہ ہوا کرتا تھا، جو اپنی روحانی طاقت براہ راست خدا سے حاصل کرتا تھا۔اپنی طاقت کی وجہ سے وہ بڑے بڑے فیوڈل لارڈز سے اپنی برتری تسلیم کراتا تھا۔ اس لئے چرچ اس کو الوہی قوت دیتا تھا اور فیوڈلز قانونی اور فوجی طاقت۔ وہ دوسرے فیوڈلز کے مقابلہ میں ذرا تھوڑا سا اونچا ہوا کرتا تھا۔ اسی لئے اس میں اور فیوڈلز میں سیاسی برتری کے لئے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ فیوڈلز کو ایک بادشاہ کی اس لئے ضرورت تھی کیونکہ وہ اس میں لڑائی جھگڑے میں مصروف رہتے تھے اور ایک دوسرے سے سخت رشک وحسد کرتے تھے۔ بادشاہ سیاسی طور پر یہ مناسب سمجھتا تھا کہ ان کی وفاداری پر بھروسہ کیا جائے اور ان کی آزادی میں دخل نہیں دیا جائے۔ اس لئے وہ اس میں آزاد تھے کہ اپنے سکے ضرب کرائیں، معاہدے کریں، اور اگر موقع ملے تو جنگ بھی کریں۔

فیوڈل ازم میں اس وقت کمزوری آنا شروع ہوئی کہ جب چودھویں صدی میں قحط، بلیک ڈیتھ، (طاعون) اور دوسری فطری آفتوں کی وجہ سے ملک میں آبادی کم ہوگئی اور انہیں زمینوں پر کام کرنے والے نہیں ملے۔ اس لئے اس عہد میں بڑی بڑی جنگیں شروع ہوئیں، جنگ صد سالہ، وار آف روزز(War of Roses) فرانس، جرمنی، اور اٹلی میں جنگیں۔ ان جنگوں نے فیوڈلز کو اقتصادی اور فوجی طور پر کمزور کر دیا اور اس کے نتیجہ میں پست سے بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔

فیوڈلز کی کمزوری اس صورت میں بھی ظاہر ہونا شروع ہوئی جب انہیں نے اپنی

زمینوں کی ٹھیکہ پر دینا شروع کر دیا۔ ٹھیکہ دار ان کی زمینوں کی نگرانی بھی کرتا تھا اور منافع کی خاطر خود بھی زمینوں پر کام کرتا تھا۔ اس لئے اس نے دولت جمع کرنی شروع کر دی۔ انہیں میں سے تاجر طبقہ ابھرا کہ جس نے زمینیں خرید کر اس کی پیداوار کوشہروں میں لا کر فروخت کرنا شروع کیا۔ اسی مرحلہ سے شہروں کو دوبارہ سے اہمیت ملنی شروع ہوئی۔(۲۶)

یورپ میں رومی زوال کے بعد شہروں کا زوال ہو گیا تھا۔ فیوڈل طبقہ شہروں کو چھوڑ کر دیہات میں چلا گیا تھا اور غیر محفوظ راستوں اور شہروں کی آبادی کے گھٹ جانے کے بعد تجارت محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس لئے شہروں کی آبادی کم ہو گئی تھی۔ گیارھویں صدی میں صرف پانچ فیصد لوگ شہروں میں رہتے تھے۔ بارھویں صدی میں لنڈن کی آبادی صرف بیس ہزار تھی۔ روم، جو رومی امپائر کا دارالحکومت تھا، اب کھنڈر ہو چکا تھا اور اپنی گندگی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس لئے تمام شہر گندے اور غلیظ تھے۔ تجارت کرنے والے تاجر اپنا سامان سڑکوں اور گلیوں میں برائے فروخت رکھ دیتے تھے۔ قصائی جانوروں کو دکان کے سامنے ذبح کر کے انہیں لٹکا دیتے تھے۔

شہر میں دست کاروں اور ہنرمندوں کو اپنی جماعتیں یا گلڈ ہوا کرتی تھیں جو اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کو کنٹرول کرتی تھیں۔ چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں جا کر یہ گلڈز سیاسی طاقتیں بن گئیں۔ یہ ان کے مفاد میں تھا کہ حالات میں کوئی تبدیلی نہ آئے اور صنعت و حرفت میں کوئی مقابلہ نہ ہو کیونکہ نئی ایجادات اور مقابلہ سے ان کے پیشوں اور آمدنی پر اثر پڑتا تھا۔ انہوں نے جرمنی کے شہر ڈان زنگ میں ایک موجد کو اس لئے مار ڈالا کہ اس نے کرگھا (Loom) بنایا تھا۔ یہ اون کے رنگنے کے نئے طریقوں کے بھی مخالف تھے۔

اس عہد میں مذہب کا معاشرہ پر پورا پورا غلبہ تھا۔ چرچ کی اس لئے اہمیت تھی کہ اس نے یورپ کو عیسائی بنایا تھا۔ اس مذہبی عقیدے کے اظہار کا ذریعہ چرچ اور کیتھڈرل تھے جو کہ بادشاہوں اور بڑے بڑے فیوڈلز نے تعمیر کرائے تھے۔ ۱۰۵۰ء سے لے کر ۱۳۵۰ء تک فرانس میں ۸۰ کیتھڈرلز اور ۵۰۰ چرچ تعمیر ہوئے، ان میں وہ چھوٹے چرچ شامل نہیں کہ جو ہزاروں کی تعداد میں بنائے گئے تھے۔ چونکہ حکمران طبقہ چرچ کی مدد کرتا تھا، اسے تحفے اور زمینیں دیتا تھا، اس لئے چرچ ایک مستحکم اور طاقت ور ادارہ بن گیا

تھا کہ جو اس نظام کی حمایت کرتا تھا۔

تیرھویں صدی میں سینٹ ڈومینک نے انکوئیزیژن (Inquisition) کا محکمہ قائم کیا تھا تا کہ جو لوگ چرچ سے بغاوت کریں یا اس کی تعلیمات کی دوسری تفسیر کریں، ایسے لوگوں کو تشدد، سزا، اور خوف سے یا تو خاموش کرا دیا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ اس ادارے کی زبردست دہشت تھی جس کی وجہ سے نئے خیالات و افکار پر پابندی لگ گئی۔ یہ صورت حال فیوڈل نظام کے حق میں تھی کیونکہ نئے نظریات کی غیر موجودگی میں اسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔

لوگوں کا معجزات پر یقین تھا، روحیں، جن شیطان پر اسرار مخلوقات تھیں۔ کنواری مریم کے مجسمے آنکھیں کھولتے تھے اور روتے تھے۔ پتھر خون سے سرخ ہو جاتے تھے۔ لوگ فطرت کی تبدیلیوں سے شگون لیتے تھے۔ آسمان کا سرخ ہونا اور ستاروں کا ٹوٹنا وغیرہ۔ روحوں کا زندوں کی دنیا میں عمل دخل تھا۔ کیمیا کے ذریعہ سونا بنانے کا جنون سائنس دانوں اور ان کے سرپرستوں کو تھا۔

قرون وسطیٰ کا یہ فیوڈل کچھ مورخوں کے لئے آج بھی دلکش اور رومانوی اثرات کا حامل ہے۔ ایک طویل عرصہ تک یہ نظام اپنی پوری توانائی اور طاقت کے ساتھ رہا۔ اور اس نے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالی کہ جس میں طبقاتی تقسیم کی مستقل حیثیت تھی۔ ایک فرد کے لئے ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں جانا مشکل تھا۔ پیدائش اور خاندان کا سماجی مرتبہ اس کی حیثیت کا تعین کر دیتا تھا اس لئے وہ اپنی پوزیشن پر مطمئن ہوتا تھا۔ اس لئے طبقاتی تضادات بہت کم تھے۔ لوگ اپنی زندگی سے مطمئن تھے۔ آگے بڑھنے کی خواہشات نہیں تھیں جس کی وجہ سے معاشرہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا اور پر سکون تھا۔

دیہات میں رہتے ہوئے فرد فطرت کے قریب تھا۔ اس کا تعلق زمین سے تھا اس لئے وہ خود کو فطرت کا ایک حصہ سمجھتا تھا۔ مذہب نے اسے تعلیم دی تھی کہ یہ دنیا فانی ہے۔ دولت و شہرت آنے جانے والی تھیں جن کے حصول کی کوشش فضول تھی۔

لیکن فیوڈل ازم کا یہ نظام ٹھہرا ہوا نہیں رہ سکا۔ تبدلی کے عمل نے اس کی مضبوط دیواروں میں دراڑیں ڈالنا شروع کر دیں۔ اس کے بطن سے ایک اور نظام پیدا ہوا جس نے بالآخر اس کا خاتمہ کر دیا۔

حوالہ جات

1۔ ول ڈیورانٹ The age of Faith, New York 1950

2۔ ایضاً: ص۵۵۳

3۔ ایضاً: ص۵۸-۵۵۳

4۔ ایضاً: ص۵۶۰

5۔ ایف۔ ایل۔ گان شوپ: فیوڈل ازم۔ لانگ مین ۱۹۵۲۔ ص۔ ۴۷

6۔ جان کرچ لے: فیوڈل ازم۔ جارج ایلین اینڈ ان ون ۱۹۷۸۔ ص ۲۷-۲۵

7۔ اس اصول اور قانون کی وجہ سے فیوڈل خاندان کے چھوٹے لڑکوں نے نو آبادیاتی نظام کے پھیلانے میں حصہ لیا۔ کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو فوج، سیاست، اور انتظامیہ بناتے تھے۔ نو آبادیات میں بڑے عہدوں پر بھی یہی لوگ فائز ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے یورپ کی طاقتیں ایشیا، افریقہ اور امریکہ میں اپنی سیاسی اقتدار کو قائم کر سکیں۔

8۔ کرچ لے۔ ص ۳۱، گان شوب: ص۸۷، ۴۷، ۳۷ ول ڈیورانٹ: ایج آف فیتھ، ص ۲۸، ۳۱، ۵۶۳

9۔ سی۔ بروک Europe in the Central Middle Ages (962-1154) London,1975. P.18

10۔ ایضاً: ص ۹۷-۹۶

11۔ ول ڈیورانٹ: ص۵۶-۵۵۵

12۔ ایضاً: ص۵۵۷

13۔ مبارک علی: تاریخ وانقلاب، لاہور ۱۹۸۸، ۶۳-۶۲

14۔ مارک بلوخ: فیوڈل سوسائٹی۔لندن۱۹۶۲ءص۹۱-۲۹۰

15۔ ایضاً: ص ۳۲۹

16۔ ول ڈیورانٹ: ص۵۶۹

17۔ فتوی نوجوانوں کی ایک تحریک تھی جس کی باقاعدہ تنظیم خلیفہ ناصر (۱۲۲۳-۱۱۸۱) نے کی تھی۔اس تحریک کا رکن بننے کے لئے باقاعدہ رسومات سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس کے کارکن مظلوم اور مجبور لوگوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ کردار کی خوبیوں میں بہادری اور جرات مندی کی اہمیت تھی۔عوام کی مدد اور ان کی داد رسی کی وجہ سے تحریک طبقہ اعلیٰ اور حکمرانوں میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی اور وہ اس کا کارکنوں کوغنڈے و لچے سمجھتے تھے۔ یہ تحریک عرب، ایران، اور ترکی میں رہی۔ اور اس نے یورپ کے نائٹوں کے سلسلوں کوتنظیم و ادب آداب کے سلسلے میں متاثر کیا۔

18۔ ول ڈیورانٹ: ص ۷۷-۵۷۲

19۔ مارک بلوخ: ص۲۱-۳۲۰

20۔ ول ڈیورانٹ: ص-۵۷۲

21۔ ایضاً: ص ۵۷، مارک بلوخ: ص-۲۹۶

22۔ Georges Duby (Editor): A History of Private Life. Vol.II P.56,68.

23۔ ول ڈیورانٹ: ص-۵۶۲۔ بلوخ: ص-۳۰۷

24۔ مارک بلوخ: ص-۳۰۸

25۔ ول ڈیورانٹ: ص- ۵۶۳

26۔ ہربنس کھیا Perspective of Medieval History. Vikas Delhi 1993-PP.104,107-8.

دوسرا باب

فیوڈل ازم کا زوال

تاریخی عمل ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں رہتا، زندگی بدلتی رہتی ہے۔ زمانے کے تقاضے جدتوں کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ادارے اور روایات ان بدلتے ہوئے حالات میں خود کو ڈھالتے رہتے ہیں۔ مگر ایک مرحلہ آتا ہے جب ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ فیوڈل ازم کے ادارہ نے یورپ میں اٹھارویں صدی تک خود کو قائم رکھا، مگر جب صنعتی وٹیکنالوجیکل ایجادات نے تبدیلیاں شروع کیں تو اس ادارے کے استحکام میں دراڑیں پڑھنی شروع ہو گئیں۔

اب شہروں میں پیشہ وروں کی انجمنیں ہوا کرتی تھیں مگر ان کے پاس زائد سرمایہ کی کمی تھی اس لئے وہ بڑی صنعتیں نہیں لگا سکتے تھے۔ ان کا انحصار کاریگروں کی پیداوار پر تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ ہول سیل تاجروں کا ایک طبقہ ابھرنا شروع ہوا کہ جو کاریگروں کے سامان کو فروخت کرتا تھا مگر اس کا پیداوار سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ابتداء میں کاریگر اور تاجر دونوں گلڈ یا انجمن کے ممبر ہوا کرتے تھے، بعد میں انہیں کاریگروں نے کہ جو خوش حال تھے پیداوار سے اپنا تعلق ختم کر کے ہول سیل کا کاروبار شروع کر دیا۔ تاجروں کے لئے شہروں کی بڑی اہمیت تھی کیونکہ یہی ان کی سرگرمیوں کے مرکز تھے، اس لئے انہوں نے اس کے نظم ونسق کو سنبھالا۔ ان کی ان کوششوں میں بادشاہ یا حکمران نے بھی ان کا ساتھ دیا کیونکہ وہ ان کے ذریعہ سے فیوڈلز کا اثر کم کرنا چاہتے تھے یہی وجہ تھی کہ کہ فرانس میں تاجروں کے اثر کی وجہ سے بادشاہ کے انتخاب سے فیوڈلز کو خارج کر دیا گیا۔ ۱۲۵۰ء میں یہ تبدیلی آئی کہ رعیت کی جانب سے وفاداری کا عہد اب فیوڈلز کے بجائے بادشاہ سے ہونے لگا، اور بڑے بڑے فیوڈل لارڈ بادشاہ کے درباری ہو گئے۔ لہٰذا شاہی سر پرستی، نئے سمندری

راستوں کی دریافت، امریکہ کی سرزمین، ایشیا و افریقہ کی نوآبادیات کا تجارتی روابط، سرمایہ کی آمد اور منافع کے نتیجہ میں نئی ایجادات کی سرپرستی۔ ان سب عوامل نے یورپ میں بورژوا طبقہ پیدا کیا۔ اس طبقہ کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے سیاسی اقتدار اور اختیارات کی ضرورت تھی، اس لئے انہوں نے فیوڈل نظام کو چیلنج کیا۔

یورپ میں فیوڈل ازم کا زوال تین طریقوں سے عمل میں آیا، ایک نیچے سے آنے والی معاشی تبدیلیاں اور ان کے نتیجہ میں اصلاحات، دوسرے انقلابی اقدامات، اور تیسرے حکمران طبقے کی جانب سے اوپر سے اصلاحات کے ذریعہ نظام کو بدلا گیا۔

معاشرے میں تبدیلی کے دو اہم ذریعے ہوتے ہیں۔ ایک تو اصلاحات کے ذریعہ معاشرے کے نظام اور ڈھانچہ کو بدلا جاتا ہے۔ اگر قدیم ادارے ان اصلاحات کے لئے تیار نہ ہوں تو تشدد اور انقلاب کے ذریعہ ان کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ اصلاحات کے ذریعہ ترقی ارتقائی طور پر ہوتی ہے مگر انقلاب تبدیلیوں کو تیزی کے ساتھ لاتا ہے اور قدیم اداروں کو اکھیڑ پھینکتا ہے۔

ان عوامل کی وجہ سے یہ بحث رہی ہے کہ کیا اصلاحات کا ذریعہ انقلاب سے بہتر ہے؟ کیا اصلاحات کے ذریعہ معاشرہ بغیر کسی انتشار اور برائی کے تبدیل ہوتا رہتا ہے اور ماضی سے اپنا رشتہ اچانک نہیں توڑتا ہے؟ کیونکہ انقلاب بڑی بے دردی سے ماضی اور حال کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے، اگر فوری طور پر نعم البدل ادارے اور روایات قائم نہ ہوں تو معاشرہ افراتفری کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن انقلاب اس صورت میں آخری راستہ رہ جاتا ہے کہ جب اصلاحات کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔

یورپ میں فیوڈل ازم کے زوال کو ہم انگلستان، فرانس، اور پروشیا کے تناظر میں دیکھیں گے کیونکہ ان ملکوں میں اس زوال کے راستے اور حالات جدا تھے۔

انگلستان

انگلستان میں فیوڈل ازم کی جڑیں بڑی گہری تھیں۔ ان میں اور بادشاہ میں سیاسی اختیارات پر ہمیشہ سے تنازعہ رہا۔ بادشاہ کی یہ کوشش رہی کہ وہ فیوڈلز کے اثر کو کم کر کے مطلق العنان حیثیت اختیار کرے۔ جب کہ فیوڈلز اپنی خود مختاری برقرار رکھنا چاہتے

تھے۔ ۱۲۱۵ء میں انگلستان کے بادشاہ جان اور فیوڈلز کے درمیان میگنا کارٹا (بڑا چارٹر) عمل میں آیا کہ جس میں بادشاہ اور فیوڈلز کے اختیارات کا تعین ہوا۔ مگر جب اسٹوراٹ خاندان کے دور میں چارلس اول اور پارلیمینٹ کے درمیان خانہ جنگی ہوئی (۱۶۴۹-۱۶۴۲) تو اس نے بادشاہ کی طاقت کو کمزور کر دیا اور فیوڈلز کا پارلیمینٹ میں اثر بڑھ گیا۔ اس کے بعد سے یہ سوال اہم رہا کہ حکومت کرنے کا اختیار کس کو ہے، بادشاہ کو یا پارلیمینٹ کو؟

۱۶۸۸ء کے انقلاب اور ۱۶۸۹ء کے بل آف رائٹس Bill of rights نے بادشاہ کے اختیارات کو اور محدود کر دیا۔ اگرچہ اس سے فیوڈلز کی حیثیت مضبوط ہوئی، مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے طبقوں کو اس سے یہ سبق ملا کہ وہ بھی اپنی طاقت و اثر سے اپنے لئے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔

سترھویں صدی میں انگلستان میں دو اہم تبدیلیاں آئیں۔ ایک تو زراعتی انقلاب تھا کہ جس نے فیوڈلز کے طبقے کو مزید دولت اور سیاسی اختیارات دیئے۔ دوسرے اس کے نتیجہ میں صنعتی انقلاب آیا کہ جس نے اس نظام پر کاری ضرب لگائی۔

انگلستان کے فیوڈل نظام کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس میں زمین کو پوری طرح سے استعمال نہیں کیا جاتا تھا، ایک فیوڈل لارڈ کے پاس بعض اوقات زمین ایک جگہ نہیں ہوتی تھی بلکہ مختلف جگہوں پر بکھری ہوئی ہوتی تھی۔ اس لئے ان تمام بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر کاشت پر کم توجہ دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ کسانوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ زمین کو کچھ فصلوں کے بعد بغیر کاشت کے چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ وہ زرخیز ہو سکے۔ چونکہ فیوڈل تمام زمین پر کاشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے یہ زمین اجارہ پر کسانوں کو دے دی جن سے یومین (Yeoman) کا طبقہ ابھرا۔ چونکہ یہ طبقہ زمیندار نہیں تھا اس لئے زمین پر خود کاشت کرتا اور اپنی آمدنی میں اضافہ کرتا تھا۔ یومین کا یہ طبقہ انگلستان کی تاریخ میں آزاد اور مہم جو کی حیثیت سے ابھرا۔

سترھویں صدی میں اس بات کی تحقیق شروع ہوئی کہ زراعت کو کیسے بہتر بنایا جائے؟ چنانچہ اس تحقیق کے نتیجہ میں روبرٹ ویسٹرن نے ۱۶۴۵ء میں یہ نتیجہ نکالا کہ اگر ایسی فصلیں کاشت کی جائیں کہ جو جڑوں والی ہوں جیسے شلجم وغیرہ تو اس سے زمین کی زرخیزی ختم نہیں ہوگی۔ ایک اور طریقہ جس کی سفارش کی گئی تھی وہ یہ تھا کہ کچھ فصلوں کو باری باری

سے بویا جائے، اس کی وجہ سے زمین کو بغیر کاشت کے چھوڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

آرتھر ینگ نے انگلستان کے طریقہ زراعت میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ جب تک زمین کو باڑھ لگا کر بڑے بڑے پلاٹوں میں محفوظ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک وہ زیادہ پیداوار نہیں دے سکیں گے۔ کھیتوں کو باڑھ لگا کر یا احاطوں کے ذریعہ محفوظ کرنے کے لئے ۱۷۶۰ سے ۱۸۰۰ تا ایک ہزار ایک سو قوانین پاس ہوئے۔ اس طرح تیس لاکھ ایکڑ زمین کو باڑھ لگا کے محفوظ کر لیا گیا۔ چونکہ یہ طریقہ فیوڈلز کے مفاد میں تھا اور پارلیمینٹ میں ان کی اکثریت تھی، اس لئے یہ قوانین آسانی سے پاس ہو گئے۔

کھیتوں کو باڑھ کے ذریعہ محفوظ کرنے کی وجہ سے زمینوں پر فیوڈلز کا اور زیادہ قبضہ ہو گیا۔ اس کی وجہ سے گاؤں کی کھلی اور بیکار زمین ختم ہو گئی۔ اس کا اثر کسانوں پر زبردست پڑا، چھوٹے کسان ختم ہو گئے اور ان کی حیثیت کھیت مزدور کی ہو گئی۔ فیوڈلز کا زمینوں پر قبضے کی وجہ سے یومین کا طبقہ ختم ہو گیا، ان کے خاتمہ سے دیہات میں جو ایک آزاد اور مہم جو طبقہ تھا وہ کسانوں کے جم غفیر میں مل گیا۔ سیاسی طور پر فیوڈلز کا اثر پہلے کے مقابلہ میں اور بڑھ گیا۔ احاصہ بندی نے اناج کی پیدوار میں اضافہ کیا۔ مگر اس اضافہ شدہ آمدن کا فائدہ فیوڈلز کو ہوا۔ اس کے پاس دولت جمع ہو رہی تھی مگر کسان اس حساب سے غریب سے غریب تر ہو رہا تھا۔

اس زرعی انقلاب نے کاشتکاری کے پرانے طریقوں کو بدل دیا۔ زمین کی اہمیت پہلے کے مقابلہ میں اور زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ پارلیمینٹ کا ممبر بننے کے لئے زمین کی ملکیت کا ہونا ضروری تھا۔ جسٹس آف پیس کے عہدے کے لئے بھی سو پونڈ مالیت کی زمین ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے جن کے پاس دولت تھی انہوں نے سماجی اور سیاسی طاقت کے لئے زمین خریدنی شروع کر دی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے صدر نے بھی زمین خریدی تاکہ وہ سیاست میں جا سکے۔ چھوٹے زمیندار جن سے یہ زمین خریدی جاتی تھیں، اس عمل سے ان کے دلوں میں غم و غصہ پیدا ہوا۔ (۱) اب کسانوں کے لئے دیہات میں کوئی کھلی جگہ نہیں رہی تھی کہ جہاں وہ اپنے مویشیوں کو چرا سکیں یا بیکار زمین کو اپنے استعمال میں لائیں۔ اس لئے کسانوں کی بڑی تعداد بیروزگار ہو گئی۔

اس تبدیلی کے نتیجہ میں جب فیوڈلز کے پاس دولت آئی تو انہوں نے دیہات

میں شاندار محلات تعمیر کرانا شروع کر دیئے۔ دولت کے ساتھ ساتھ ان کا ذوق جمالیات بھی ابھرا، اب ان کا فرنیچر فرانس سے آنے لگا۔ اطالوی، فرانسیسی اور لاطینی مصنفوں کی کتابیں خرید کر ذاتی کتب خانوں میں جمع کیں۔ اپنی حویلیوں کی خوبصورتی کے لئے نوادرات کو جمع کیا جانے لگا۔ وہ آرٹ اور علم و ادب کے سرپرست بن گئے۔ اپنے دیہاتوں سے نکل شہروں میں جانے لگے۔ بلکہ اس سے بھی آگے یہ ہوا کہ یورپ کی سیروسیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۷۸۵ء میں گبن نے چالیس ہزار امراء کو یورپ میں دیکھا تھا۔ اپنے دیہاتی گھروں میں دعوتیں شروع کیں کہ جن میں شہر سے لوگ آنے لگے۔ اس نے دیہات اور شہر کے کلچر کو قریب کیا، ان کے علم و ادب سے دلچسپی کا پتہ ان کی تقریروں اور خط و کتابت میں استعمال ہونے والے اقتباسات سے چلتا ہے کہ جن میں یہ ہومر، ورجل، ہوریس اور ملٹن کے اشعار پڑھتے اور لکھتے تھے۔ یہ ان کا اثر تھا کہ شیکسپیئر دنیا کا بڑا شاعر بن گیا۔

ان ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ان کے شغلوں میں شکار کھلنا، ریس، اور جوا شامل تھے۔ ایک کسان کے لئے شکار پر پابندی تھی، اس مقصد کے لئے شکار کے قوانین بنے ہوئے تھے جن کے تحت اس کی خلاف ورزی پر جلاوطنی اور دوسری سخت سزائیں تھیں۔(۲)

ابتداء میں فیوڈلز کے ہاں تعلیم کا رواج نہیں تھا۔ اگر ان کے بچے پڑھتے تھے تو دوسرے عام بچوں کے ساتھ، مگر اب ان کے بچوں کے لئے اسکول کے بجائے گھر پر ٹیوشن کے ذریعہ پڑھانے کا رواج ہوا۔ بعد میں ان کے لئے علیحدہ سے اسکول اور یونیورسٹیاں بن گئیں۔ پارلیمنٹ میں جانے کے لئے یہ کسی کالج میں دوسال کے لئے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ چونکہ قانون کے مطابق جائیداد کا وارث بڑا لڑکا ہوتا تھا، اس لئے چھوٹے لڑکوں کے لئے فوج، سیاست، اور ڈپلومیسی کے محکمے تھے۔ ان میں سے کچھ صنعت وحرفت اور تجارت میں بھی جانے لگے۔

دولت کی اس بہتات کا اثر ان کی طرز زندگی پر بھی پڑا۔ دوستوں کو تحفے تحائف دینے، لڑکیوں کو قیمتی جہیز دینے کا رواج شروع ہو گیا۔ ان کے اس رویہ کی وجہ سے تاجر طبقے نے منافع کمانا شروع کر دیا۔ اس نے فیوڈلز کی ضروریات پوری کر کے جو دولت کمائی، اسی بنیاد پر اس نے بالآخر فیوڈلز کے طبقے کو شکست دی۔

زراعتی انقلاب کے منفی اثرات کسانوں پر پڑے۔ پرانے نظام میں بیروزگاری نہیں تھی پورا خاندان کھیت میں کام کرتا تھا، لیکن اس نئے نظام میں مشین نے بہت سے کاموں کی جگہ لے لی جس کی وجہ سے کسانوں کی بڑی تعداد بیروزگار ہونا شروع ہوگئی، اور انہوں نے ملازمت کے لئے شہروں کا رخ اختیار کرنا شروع کیا جہاں صنعتی ترقی کی وجہ سے نئی نئی فیکٹریاں کھل رہی تھیں۔ چونکہ صنعت کار کو کم تنخواہ پر مزدوروں کی ضرورت تھی اس لئے اس نے کسانوں کی شہروں میں آمد کو خوش آمدید کہا۔ آبادی کی اس منتقلی کی وجہ سے دیہات کی اہمیت کم لانا اور شہروں کا عروج ہونا شروع ہوگیا۔

صنعتی ترقی میں صرف بورژوا طبقے ہی نے حصہ نہیں لیا بلکہ فیوڈل لارڈز نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔ جن کی زمینوں پر کانیں تھیں انہوں نے لوہے اور کوئلے کی وجہ سے منافع کمایا۔ لیکن ٹکسٹائل کی صنعت میں نیا ابھرتا ہوا متوسط طبقہ تھا۔ ان دونوں طبقوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے سیاسی اقتدار میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کی اسی کے نتیجہ میں پارلیمانی اصلاحات کی تحریکیں چلیں جس کی ابتداء۱۸۳۲ء میں ہوئی۔ ان اصلاحات کے نتیجہ میں زمین اور دولت دونوں کی مساوی حیثیت ہوگئی۔

ان تبدیلیوں نے انگلستان کے فیوڈل نظام کو مرحلہ وار ختم کیا۔ اس ماحول میں فیوڈلز کو بھی یہ احساس ہوتا رہا کہ انہیں اپنی بقا کے لئے بورژوا طبقہ کو مراعات دینی ہوگی۔ اس لئے وہ آہستہ آہستہ اپنے نظام کی مراعات سے دستبردار ہوتے رہے اور خود کو تبدیل شدہ حالات میں ایڈجسٹ کرتے رہے۔ ان کے اس عمل سے انقلاب کی راہیں رک گئیں۔ خود بورژوا بھی انقلاب کے حامی نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی اصلاحات کے ذریعہ تبدیلی کو ترجیح دی۔

فرانس

فرانس میں انگلستان کے برعکس فیوڈل ازم کا خاتمہ مرحلہ وار اصلاحات کے ذریعے نہیں ہوا بلکہ انقلاب کے ذریعہ ہوا۔ اس کی ایک وجہ ان دونوں کے فیوڈل ڈھانچہ کا فرق تھا۔ انگلستان میں فیوڈلز سیاست اور انتظامیہ میں حصہ لیتے تھے، جب کہ فرانس میں انتظامیہ کو ریاست کے عہدوں داروں پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بورژوا طبقہ

میں نہ تو شادی کرتے تھے اور نہ اپنے چھوٹے لڑکوں کو تجارت میں آنے دیتے تھے۔ انگلستان کا فیوڈلز دیہات میں رہتا تھا اور اپنی جائیداد کے معاملات سے باخبر ہوتا تھا۔ فرانس میں فیوڈلز شہروں میں رہتے تھے، اس لئے یہ جائیداد کے بارے میں کم ہی جانتے تھے۔ اس فرق کی وجہ سے انگلستان کے فیوڈلز کا وژن فرانسیسی لارڈ کے مقابلہ میں زیادہ وسیع تھا۔ وہ پارلیمینٹ کی سرگرمیوں میں پورا پورا شریک ہوتا تھا اور سیاست کے ذریعہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتا تھا، اس نے زراعتی اصلاحات کو بھی فروغ دیا، نئی فصلیں روشناس کرائیں، مویشیوں کی نسل بڑھائی، کھیتوں کو محفوظ کیا اور کسانوں سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔(۳)

فرانس کا فیوڈلز اپنے طبقاتی غرور میں سب سے الگ تھلگ تھا۔ وہ دوسرے طبقوں سے کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں رکھتا تھا، اس لئے اسے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟ اور ان کی خواہشات کیا ہیں؟

فرانس میں فیوڈلز دو طبقوں میں تقسیم تھے ایک ''امرائے شمشیر'' جو ابتدائی جرمن فاتحین کی نسل سے اپنا تعلق جوڑتے تھے کہ جنھوں نے اپنی بہادری اور شجاعت سے زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ دوسرے طبقہ میں ''امرائے جبہ و قبہ'' آتے تھے کہ جنہیں یہ امتیاز اپنے عہدوں کی وجہ سے ملا تھا۔ اس لئے یہ ''امرائے شمشیر'' سے رتبہ میں کم تھے۔

فرانس میں بڑے فیوڈل لارڈز دربار میں رہتے تھے۔ یہ لوئی چہار دہم کی پالیسی کے تحت ہوا تھا۔ کیونکہ طاقت ور فیوڈلز ہمیشہ بادشاہ کے اختیارات اور اس کے اقتدار کو چیلنج کرتے تھے اور جب موقع ملتا تھا تو بادشاہ کے خلاف بغاوتیں کرتے رہتے تھے، اس لئے ان کی سازش اور طاقت کو توڑنے کے لئے انہیں ''ورسائی'' میں بلا کر وہاں دربار میں رہنے پر مجبور کیا۔ اس کے دو فائدے ہوئے ایک تو اب یہ بادشاہ کی نظروں کے سامنے رہنے لگے، دوسرے وہاں رہنے کی وجہ سے ان کے اخراجات اس قدر بڑھ گئے کہ وہ ان کی آمدنی سے پورے نہیں ہوتے تھے۔ اس وجہ سے ان کی مالی حالت ہمیشہ خراب رہتی تھی اور یہ قرضوں میں جکڑے رہتے تھے۔

دربار میں رہنے کی وجہ سے ان کی آزادی اور خود مختاری ختم ہوگئی اور درباری ماحول نے ان میں خوشامد اور چاپلوسی کو پیدا کر دیا۔ اپنی جائیدادوں سے دور رہنے کی وجہ

سے ان کا رشتہ زمین اور کسانوں، دونوں سے ٹوٹ گیا۔ وہ دیہات کی زندگی کے بجائے شہر کی پر تعیش زندگی کا شکار ہو گئے۔

یہی وجہ تھی کہ ان میں سے اکثر کو اپنی جائیداد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان فیوڈلز کے لئے یہ بے عزتی کی بات تھی کہ اگر کوئی ان سے زراعت، کاشتکاری، اور فصلوں کے بارے میں گفتگو کرے، کیونکہ یہ طبقہ جس ثقافتی ماحول میں رہ رہا تھا وہاں یہ اس کا کام نہیں تھا بلکہ اس کے ملازمین کا تھا۔ ایک بار لوئی XVI نے موسیو دلوں (Dillon) سے پوچھ لیا کہ سنا ہے کہ تم بہت قرضدار ہو۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ اس بارے میں وہ اپنے عملہ کے لوگوں سے معلوم کر کے بتائے گا۔

اخراجات کی اس زیادتی کی وجہ سے سب ہی قرضوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ زندگی میں شان وشوکت دکھانا، اور بے جا اخراجات کرنا امراء کی عادت بن گئی تھی۔ ڈیوک لازوں (Lauzon) نے چھبیس سال کی عمر میں ایک لاکھ سالانہ فرانک یک آمدن ختم کر دی تھی، مگر ہمیشہ قرضدار رہا کرتا تھا۔ کومے کلرموں دوبار دیوالیہ ہوا۔ ڈیوک شوائے سو کی چودہ ملین کی جائیداد تھی مگر یہ بھی دس ملین کا قرضدار تھا۔ ڈیوک اور لین ۷۴ ملین کے قرضے میں پھنسا ہوا تھا۔ (۴)

اس ماحول میں فرانس میں قرضدار ہونا ہر فیوڈل لارڈ کے لئے باعث فخر تھا۔ کیونکہ قرضہ کی رقم سے اس کے اخراجات کا اندازہ لگایا جاتا تھا اور جو جس قدر قرضدار ہوتا، اس سے یہ مطلب نکلتا تھا کہ وہ خوب خرچ کرتا ہے جو کہ ایک امیر کے لئے خوبی کا وصف تھا۔

جب بڑے بڑے فیوڈلز نے اپنی زمینوں میں دلچسپی نہیں لی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی وسیع اراضی میں بہت ساری زمین بغیر کاشت کے چھوڑ دی گئی۔ وہ چھوٹے فیوڈلز جو دیہاتوں میں رہتے تھے ان کی بھی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح سے وہ بھی دربار سے وابستہ ہو جائیں۔ اس لئے وہ بھی اپنی زمینوں کی کاشت پر پوری توجہ نہیں دیتے تھے۔ نتیجتاً یہ امراء وقتاً فوقتاً دیوالیہ ہوتے رہتے تھے اور بادشاہ سے درخواست کرتے تھے وہ ان کی مدد کرے۔ ان کی یہ مالی مدد قومی خزانے سے کی جاتی تھی (۵) اس کی وجہ سے وہ پیسہ کہ جو ریاست اور عوام پر خرچ ہو۔ امراء کی جیبوں میں چلا جاتا تھا۔

ورسائی میں ان امراء کی زندگی عیاشی میں گزرتی تھی۔ روز کی دعوتیں، محفلیں، کھیل، تفریحات اور دربار کی سازشیں ان کی زندگی میں روز مرہ کے معمولات تھے۔ چونکہ ورسائی شاہی شہر تھا۔ اس لئے یہ پورے ملک سے کٹا ہوا تھا جہاں جزیرہ کی مانند بند ماحول میں یہ لوگ اپنی ہی دنیا میں مگن تھے۔ انہیں احساس نہ تھا کہ ملک کن حالات سے گزر رہا ہے اور لوگ کن مصائب و مشکلات کا شکار ہیں۔ انہیں حالات کو دیکھتے ہوئے ۱۷۵۲ء میں ایک فیوڈل لارڈ نے یہ لکھا تھا کہ:

بڑے امرائے کی نسل کو ختم ہو جانا چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں جائیداد، عہدے، اختیارات، اور شان وشوکت بغیر کسی محنت کے مل گئی ہے۔ بغیر کسی جدوجہد کے یہ لوگ عظیم بن گئے ہیں۔ یہ لوگ نا اہل اور بے وقعت ہیں۔ میرا ان لوگوں کے بارے میں یہ خیال ہے کہ کتوں کی اعلیٰ نسل کی اس وقت تک حفاظت کرتی چاہئے کہ جب تک ان میں ملاوٹ نہ آئے۔ اس کے بعد انہیں ختم کر دینا چاہئے۔(۶)

امراء کی اس پرتعیش زندگی کے مقابلہ میں کسانوں اور کاشتکاروں کی زندگی پس ماندگی اور عبرت کا نمونہ تھی ان کسانوں میں حقوق ملکیت والے تھے کہ جن کا گزارا کم زمین کی آمدن سے پورا نہیں ہوتا تھا۔ کھیت مزدور تھے کہ جو اپنی گذر اوقات کے لئے فیوڈلز کے محتاج تھے۔ کسانوں کے لئے اب کھلے میدان اور خالی جگہیں نہیں رہی تھیں۔ جنگل ان کے لئے بند کر دیئے گئے تھے کیونکہ شکار کا حق صرف فیوڈلز کو تھا۔

فیوڈلز ٹیکسوں سے بری تھا کیونکہ وہ ٹیکس دینا اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔ لہٰذا تمام ٹیکس کسانوں کو ادا کرنے ہوتے تھے۔ ان ٹیکسوں کو دینے کے بعد اس کے پاس صرف ۲۰ فیصد آمدن بچتی تھی۔ اس کے علاوہ اس سے بیگار کے طور پر سڑکیں اور پل بنوائے جاتے تھے۔(۷)

افراط زر اور مہنگائی کی وجہ سے ٹیکس بڑھا دیئے جاتے تھے۔ پرانے ٹیکس جو ختم ہو گئے تھے انہیں دوبارہ سے لگا دیا جاتا تھا۔ ان حالاتمیں لوگوں میں فیوڈل نظام کے خلاف جذبات ابھر رہے تھے۔ اس کا اظہار اس عہد میں چھپنے والی ایک کتاب سے ہوتا ہے جس کا مصنف بومیسری (Bomcery) تھا، اور کتاب کا عنوان تھا ''فیوڈل حقوق کی خرابیاں'' اس میں ان نا انصافیوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو کہ اس نظام میں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ فیوڈلز

نے اس کتاب کی سخت مخالفت کی ۔(۸)

۱۷۸۹ء میں فرانسیسی انقلاب کا مرکز پیرس تھا جہاں ۱۴/جولائی کو لوگوں نے مظاہرہ کیا اور قلعہ بیتل کو مسمار کر کے شہر پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ انہیں خبروں سے متاثر ہو کر دیہات میں کسانوں نے فیوڈلز کے خلاف بغاوت کر دی، یہ بغاوت مسلح تھی۔ انہوں نے ان کی رہائش گاہوں پر جو شاتو کہلاتی تھیں حملے کئے اور ان تمام دستاویزات کو آگ لگا دی کہ جو ان کے خلاف تھیں اور جن پر ان کے قرضے لکھے ہوئے تھے۔ ان ہنگاموں میں کچھ فیوڈلز قتل بھی ہوئے۔ اس بغاوت کے نتیجہ میں دیہاتوں سے فیوڈل ازم کے نشانات کو مٹانے کی مہم شروع ہوئی۔ ان حالات میں نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہوا، جس میں ۴ اگست ۱۷۸۹ء کو اسمبلی نے فیوڈل ازم کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ تمام فیوڈل ٹیکس، قرضے، بیگار، اور ذاتی خدمت کے حقوق ختم کر دیئے(۹) نیشنل اسمبلی کے یہ اقدامات قانونی تھے ورنہ عملی طور پر تو خود کسان ان نا انصافیوں کو ختم کر چکے تھے۔

بہر حال اس عمل کے نتیجہ میں فرانس کی بڑی بڑی جاگیریں ختم ہو گئیں۔ امراء اور چرچ کی زمینوں کو ضبط کر کے انہیں فروخت کر دیا گیا جنہیں صنعت کاروں اور کسانوں نے خریدا۔ اس طرح سے فرانس میں فیوڈلز کا اقتدار ختم ہو گیا۔ زمین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے بعد، طاقت کا ذریعہ نہیں رہی۔(۱۰)

نپولین جب اقتدار میں آیا ہے تو اس وقت تک زمین کا بڑا حصہ ریاست کے پاس تھا۔ لہٰذا اس نے بادشاہ بننے کے بعد زمین کو اپنے حامیوں میں تقسیم کر کے امراء کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا۔ اگرچہ نئے امرائے کے اس طبقہ کا تعلق متوسط درجہ سے تھا، مگر انہوں نے بھی قدیم روایت اختیار کرتے ہوئے اپنی زمینیں ٹھیکہ پر دے دیں اور خود دربار میں رہے۔ کسانوں کو یہ سہولت تھی کہ اب انہیں پہلے کی طرح فیوڈلز کے ٹیکس نہیں دینے پڑتے تھے۔

جب فرانس میں ۱۸۱۵ء میں دوبارہ سے بادشاہت آئی تو اس وقت کافی جائیدادیں ان کے پرانے مالکوں کے حوالے کی گئیں۔ مگر ریاست کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ تمام جاگیروں کو واپس کرے۔ کیونکہ جو لوگ انقلاب اور نپولین کے زمانہ میں ان کے مالک بن گئے تھے ان سے واپس لینا ناممکن تھا۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۲۰ء تک آدھے

امراء کو واپس ان کی جاگیریں مل گئیں تھیں اور اس وجہ سے فرانس میں بادشاہت نے قدامت پسند نظریات کو اختیار کیا تھا۔ مگر اس تمام عمل میں فیوڈل کا طبقہ اپنی طاقت کھو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے زمین سے زیادہ عہدوں کے حصول کی کوشش کی۔ کچھ امراء نے بدلتے حالات کو دیکھتے ہوئے اپنی دولت صنعت میں لگائی اور اس طرح سے انہوں نے ابھرتے ہوئے بورژوا طبقہ کا ساتھ دیا۔

فرانس کا فیوڈل نظام انقلاب کے بعد سے دوبارہ اپنی حیثیت بحال نہ کر سکا اور صنعتی ترقی و سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ زوال پذیر ہو گیا۔

پروشیا (جرمنی)

انگلستان اور فرانس کے برعکس فیوڈل ازم کے زوال کا تیسرا ماڈل پروشیا ہے جو کہ متحدہ جرمنی سے پہلے اس کی سب سے اہم ریاست تھی۔ نپولین نے جب جرمنوں کو شکست دی اور انہیں سیاسی طور پر ذلت کا سامنا کرنا پڑا تو ان میں قومی شعور کی ایک زبردست لہر پیدا ہوئی۔ یہ احساس بیدار ہوا کہ جرمنی کو شکست کیوں ہوئی؟ اور کیوں کر اس شکست سے سبق سیکھنا چاہئے؟ جب انہوں نے حالات کا تجزیہ کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جرمن قوم کی شکست کی وجہ نا اتفاقی، ریاستوں کی باہمی چپقلش، اور ان کا فیوڈل نظام ہے۔ اس وقت جرمنی کا فیوڈل نظام بڑا مستحکم تھا۔ ذرائع پیداوار پر انہیں کا قبضہ تھا۔ فوج و انتظامیہ تمام بڑے بڑے عہدے ان کے پاس تھے۔ اس لئے جب ۱۸۰۶ء کی شکست کے بعد فوج کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ ۱۴۲ جنرل ۶۰ سال کے تھے۔ ۱۳ کی عمر ۷۰ زیادہ تھی اور ۴، ۸۰ سال کے تھے۔ (۱۱)

فیوڈل خاندانوں کو ملنے والی مراعات موروثی تھیں۔ لہٰذا انہیں زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے جدوجہد نہیں کرنی پڑتی تھی اور یہ انہیں خود بخود مل جاتی تھیں۔ اس لئے گوئٹے کا ایک کردار کہتا ہے کہ "یونیورسل اور ذاتی خوبیاں سوائے امراء کے کسی اور طبقے میں نہیں ہیں۔" (۱۲) لیکن اس صورت حال کے خلاف لوگوں کے جذبات ابھر رہے تھے ۱۷۷۴ء میں ایک اخبار نے لکھا کہ "ایک مہذب قوم میں شہری کا ذاتی مرتبہ اس کی ذاتی خوبیوں سے متعین ہونا چاہئے موروثی طور پر نہیں۔ معاشرے میں کسی بھی حیثیت کو حاصل

کرنے کیلئے محنت کرنی چاہئے یہ نہیں کہ یہ حادثاتی طور پر مل جائے۔ (۱۳)

جرمنی میں فیوڈل لارڈز دوسری یورپی ریاستوں کی طرح مراعات کے حق دار تھے ان پر عام عدالتوں میں مقدمہ نہیں چل سکتا تھا اس کے لئے ان کی اپنی عدالتیں تھیں۔ ریاست اور چرچ کے تمام بڑے عہدے ان کے پاس تھے اس وجہ سے یہ نہ صرف اپنے مفادات کا تحفظ کر سکتے تھے بلکہ بادشاہ کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہوتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں ریاست اور منڈی کے عمل دخل کی وجہ سے فیوڈل ازم کمزور ہونا شروع ہوا۔ اصلاحات کے ذریعہ زمین کی حد بندی کی گئی تا کہ زرعی پیداوار کو بڑھایا جا سکے۔ پیداوار کی اس بہتری سے زمیندار اور کسان دونوں کو فائدہ ہوا۔ پروشیا نے جو زرعی اصلاحات کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ کسانوں کو نقد تنخواہ دی جائے۔ اس نے کسان کو آزاد کر دیا کہ اب جہاں وہ چاہے نقد تنخواہ پر کام کرے۔

جب شہر میں صنعت کار طبقہ ابھرنا شروع ہوا اور ان کے پاس دولت آنی شروع ہوئی تو انہوں نے اپنا سماجی رتبہ بڑھانے کی خاطر زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ اگرچہ دیوالیہ ہونے کی صورت میں فیوڈلز کو حکومت کی جانب سے مالی مدد بھی دی گئی اور قانون تحفظ بھی، مگر اس کے باوجود مالی حالات کے دباؤ کے تحت وہ اپنی زمینیں بیچنے پر مجبور ہو گئے۔ (۱۴)

۱۸۰۰ء کے بعد ان کے امتیازات جیسے کہ تلوار رکھنا، خاص لباس پہننا، اور تھیٹر میں ان کے لئے مخصوص نشستوں کا ہونا، یہ سب ختم ہو گئے۔ ۱۸۰۸ء میں فوج میں سے ان کا اثر ختم ہوا کیونکہ اب وہاں تقرری لیاقت پر ہونے لگی۔ یہی طریقہ بیورو کریسی اور ڈپلومیسی میں بھی اختیار کیا گیا۔ (۱۵)

پروشیا کے ریاستی، انتظامی معاشی وسماجی ڈھانچہ میں تبدیلی کے ابتداء خود اس کی حکمراں طبقوں نے کی۔ اس تبدیلی کی دو وجوہات تھیں: ایک فرانس سے شکست کے بعد ان پر قدیم نظام کی کمزوریاں ظاہر ہو گئیں۔ دوسرے انگلستان میں جو صنعتی ترقی ہو رہی تھی، اس سے مقابلہ کرنے کا احساس۔ اس لئے حکمران طبقہ نے ضروری سمجھا کہ قدیم نظام کو اصلاحات کے ذریعہ تبدیل کیا جائے۔ ایک نئے نظام کے لئے ضروری تھا اس میں عوام کی شرکت ہو، طبقاتی فرق کم ہو، لوگوں ذہانت و لیاقت پر آگے بڑھنے کے مواقع ہوں، اور

معاشی سرگرمیوں کی پوری پوری آزدی ہو، اس چیز کا اعلان ۱۸۱۰ء میں کیا گیا کہ اب حکومت کے تمام باشندے آزاد ہوں گے۔ کسانوں کو قرضوں اور موروثی غلامی سے نجات اور زمین پر ان کا حق ملکیت تسلیم کرنے کا اعلان ہوا۔

زمین کی اس آزادانہ خرید و فروخت کی وجہ سے مالدار تاجروں نے زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ جب کسان آزاد ہوئے تو فیوڈل لارڈز بے سہارا ہو گئے۔ قانونی تحفظ جو اب تک انہیں ملا ہوا تھا جب اسے لے لیا گیا تو ان کی سماجی و معاشی طاقت پر کاری ضرب لگی۔ اس مرحلہ پر انہوں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنی زمینیں بیچنا شروع کر دیں (۱۶) اگرچہ ان اصلاحات کی وجہ سے فیوڈلز نے بڑا احتجاج کیا اور ایک نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر رائل ہائی نس مجھے اور میرے بچوں کو جائیداد اور خاندانی حقوق سے محروم کر دیں گے تو پھر آپ کے حقوق کن بنیادوں پر رہیں گے۔ (۱۷) لیکن پروشیا اور جرمنی میں فیوڈل ازم اپنی افادیت ختم کر چکا تھا اور یہ ان کے قومی مفاد میں تھا کہ اس کا خاتمہ ہو، تاکہ وہ یورپ کی دوسری ریاستوں سے مقابلہ کر سکیں۔

دوسرے یورپی ملکوں میں بھی فیوڈل ازم کی جڑیں کمزور ہونا شروع ہوئیں۔ جب نپولین نے بلجیم اور رائن لینڈ میں چرچ کی زمینوں پر قبضہ کیا تو یہاں اس نے فیوڈل ٹیکس اور قرضوں کو ختم کر دیا تھا اور زمینوں کو چھوٹے جاگیرداروں اور کسانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پولینڈ اور روس میں فیوڈلز کی طاقت ۱۸۱۵ء تک باقی رہی۔ اس کے بعد یہاں بھی کسانوں کو آزاد کرنا پڑا، مگر اسے زمین کی ملکیت کے حقوق نہیں دیئے، پولینڈ اور روس کے فیوڈلز میں انگلستان و پروشیا کے لارڈز جیسی صلاحیت نہ تھی اس لئے ان کے ہاں اصلاحات کے نتیجہ میں کسان غریب ہی رہے۔ اس فرق کو مغربی اور مشرقی یورپ کی اقتصادی ترقی کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے لیکن اٹھارویں صدی کے آخر تک فیوڈل ازم کا ادارہ یورپ میں اپنی ساکھ کھو چکا تھا۔ (۱۸)

حوالہ جات

1۔ G.M Trevelyan: English Social History, Longman London, 1962-P.307

2۔ ایضاً: ص۔ ۱۵۱،۲۲،۱۲

3۔ ایضاً: ص۔ ۲۰

4۔ Solvemini: the French Revolution. London 1958, PP.20-21

5۔ ول ڈیورانٹ: Rousseau and Revolution. New York, 1967. P.928

6۔ ایضاً: ص۔ ۹۳۰

7۔ ایضاً: ص۔ ۲۹-۹۲۸

8۔ ایضاً: ص۔ ۹۲۹

9۔ ول ڈیورانٹ: The Age of Nepolean. Newyourk 1973,P.22

10۔ ڈیوڈ ٹامسن: Europe Since Nepolean, Penguine 1966 P.106

11۔ J.J. Sheehan: Genman History (1770-1866), Oxford Elarendon 1989. P.295

12۔ ایضاً: ص۔ ۱۲۶

13۔ ایضاً: ص۔ ۱۲۶

14۔ ایضاً: ص۔ ۳۲-۳۱

15۔ ایضاً: ص۔ ۳۰۵

16۔ ایضاً: ص۔ ۳۰۱-۳۰۰

17۔ ایضاً: ص۔ ۳۰۳

18۔ ڈیوڈ ٹامسن: ص۔ ۱۰۹

تیسرا باب

ہندوستانی نظام جاگیرداری

فیوڈل ازم کا ادارہ ہر ملک اورمعاشرے میں وقت کے ساتھ ارتقاء پذیر ہوا اور حالات کے تحت اس میں تبدیلی آتی رہی۔ ہندوستان میں جاگیرداری کے نظام کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: قدیم ہندوستان، مسلمانوں کا دور حکومت، اور برطانوی اقتدار، ان تینوں زمانوں میں اس نظام کی شکل اور ہیئت مختلف رہی اور اس نے وقت کے تقاضوں کے ساتھ حکمران طبقات کے مفادات کو پورا کیا۔ ان صفحات میں انہیں تبدیلیوں کی وضاحت کی جائے گی اور نظام جاگیرداری کی بدلتی شکلوں کو دکھایا جائے گا۔

قدیم ہندوستان

قدیم ہندوستان کے ابتدائی دور میں معاشرہ کا انحصار، مویشیوں پر تھا جس کی وجہ سے زمین کی اتنی اہمیت نہ تھی۔ چراگاہوں کی فروانی تھی اور معیشت کا انحصار مویشیوں کی تعداد پر ہوا کرتا تھا۔ چونکہ چراگاہوں کی تلاش میں قبیلے اور برادریاں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے تھے اس لئے زمین سے ان کو لگاؤ اور تعلق نہیں تھا۔ ان کی زندگی میں ٹھہراؤ نہیں بلکہ بے قراری تھی۔ خانہ بدوشی نے ان کی جڑوں کو زمین میں پیوست نہیں ہونے دیا تھا۔

۶ سے ۵ صدی قبل مسیح میں قدیم ہندوستان کا زراعتی نظام تبدیل ہونا شروع ہوا اور خانہ بدوشی کے بجائے قبائل نے آبادیاں بنا کر زراعتی پیداوار کے عمل کو بڑھانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے زمین کی اہمیت ہوگئی۔ اب مویشیوں کے بجائے زمین کی قدروقیمت ہو گئی۔ اس عہد میں کشتری ذات کے افراد نے زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ہی

زمینیں ابھی بھی کسی ایک فرد یک ملکیت نہ تھیں بلکہ یہ برادری کے استعمال کی ہوتی تھیں۔ اگر اس کا تبادلہ بھی کیا جاتا تو اس طرح کہ ایک برادری دوسری برادری کو دے دیتی تھی۔ جو زمین پر کاشت کرتا تھا، اس کا قبضہ زمین پر مستقل ہوتا تھا اور یہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہتی تھی۔(۱)

جب بادشاہتیں قائم ہونا شروع ہوئیں تو اس وقت انہوں نے زمینوں کو اپنے حمائیتوں اور وفادار ساتھیوں میں بطور تنخواہ دینا شروع کر دیا۔ یہ حکومت کے بڑے عہدے داروں اور امراء کو دی جاتی تھیں ۔ اس کے علاوہ پروہتوں اور مذہبی عالموں کو ان کی حیثیت کے مطابق جاگیریں دی جاتی تھیں مگر ان کے لئے یہ شرط تھی کہ یہ نہ تو رہن رکھیں گے اور نہ فروخت کریں گے۔ حکومت ان سے کوئی لگان نہیں لیتی تھی۔(۲)

حکومت کی جانب سے جب کسی کو جاگیر دی جاتی تھی تو اس کا باقاعدہ فرمان جاری ہوتا تھا جس پر بادشاہ کی مہر ہوتی تھی تاکہ اس کی قانونی حیثیت ہو جائے۔ جب حکومت کسی کو جاگیر دیتی تھی تو اس کے دو مقاصد ہوتے تھے: ایک تو یہ کہ وہ حکومت کے لئے جو خدمات سرانجام دیتا ہے اس کے معاوضہ کے طور پر اس کو زمین دی جائے تاکہ اس کی آمدنی کا وہ حق دار ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی خاندان کی مستقل آمدنی ہو گی تو اس سے اسے تحفظ کا احساس ہو گا اور وہ زیادہ دل جمعی سے حکومت کے کام کر سکے گا۔ مستقل آمدنی کی وجہ سے اس کی سماجی حیثیت ان دوسرے گروہوں سے بڑھ جاتی تھی کہ جو آمدن کے لحاظ سے عدم تحفظ کا شکار رہتے تھے۔ اس کے علاوہ زمین اور اس کی آمدن سے وابستہ ہو کر ایسے خاندانوں کا تعلق سیاسی طور پر اقتدار اور حکومتی طاقت سے ہو جاتا تھا اور یوں وہ حکمران اور اس کے مفادات کا سب سے بڑا محافظ بن جاتا تھا۔

ساتویں صدی عیسوی میں شمالی ہندوستان میں سانتی نظام کا رواج ہوا۔ سامنت، یا جاگیردار سالانہ اخراج دیتا تھا۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور ضرورت کے وقت اس کی فوجی خدمات کے لئے تیار رہتا تھا۔ نویں صدی عیسوی سے بارھویں اور تیرھویں صدیوں میں ٹھاکر کی اصطلاح سردار، جنگی سورما یا قبیلہ و برادری کے چیف کے معنوں میں استعمال ہونے لگی تھی۔ چونکہ اب زمین کی اہمیت بڑھ گئی تھی، اس لئے زمین پر قبضہ کی خاطر جنگوں کی ابتداء ہو گئی تھی۔

ہندوستان کا نظام جاگیرداری یورپ کے فیوڈل ازم سے مختلف تھا، یہاں پر ریونیو وصول کرنے کا حق تھا۔ خود حکمران بھی زمین کا مالک نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اس کا یہ حق ہوتا تھا کہ وہ زمین کے ریونیو کا ایک حصہ وصول کر سکے۔ ہندوستان میں زمین گاؤں کی برادری کی ملکیت ہوتی تھی۔ چونکہ حکمراں زمین کا مالک نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ کسی عہدے دار کو اس کے مالکانہ حقوق بھی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ صرف جاگیردار کو ریونیو کی وصولی کا حق دیتا تھا۔

ہندوستان کی تاریخ میں کسی عہد میں چاہے وہ ہندو ہو بدھ ہو یا مسلمانوں کا عہد ہو، یہ کوشش نہیں کی گئی کہ زمین کو شاہی ملکیت میں لے لیا جائے یا مالکانہ حقوق دے کر ایک جاگیردار طبقہ پیدا کیا جائے۔ اس لئے ہندوستان میں سیاسی اقتدار کی جنگ اس بات پر ہوتی تھی کہ گاؤں کی زمین پر ریونیو حاصل کرنے کا حق کس کو ہے۔ لہٰذا اس جنگ میں کاشت کار کو زمین کاشت کرنے سے محروم نہیں کیا جاتا تھا۔

اس فرق کی وجہ سے ہندوستانی اور یورپی فیوڈل ازم دو مختلف شکلوں کے ساتھ ارتقاء پذیر ہوئے۔ یورپی فیوڈل ازم میں زمین نجی ملکیت ہوتی تھی۔ اس لئے فیوڈل لارڈ کسانوں سے نہ صرف ریونیو وصول کرتا تھا بلکہ اس پر دوسرے ٹیکس بھی لگاتا تھا۔ اسے یہ حق بھی تھا کہ وہ ذریعہ کاشت کو بدلتا رہے، جیسے کھیتوں کو باڑھ لگا کر محفوظ کرنا، اور بڑے پیمانے پر کاشت کرنا۔ ہندوستان میں چونکہ جاگیردار کاشت میں دلچسپی نہیں لیتا تھا اس لئے کسان اپنے روایتی طریقوں کو برقرار رکھتے تھے۔ اس کی دلچسپی صرف ریونیو کی وصولیابی سے تھی۔ اس وجہ سے جنگوں اور تصادموں میں ہندوستان کا کسان علیحدہ رہا۔

قرون وسطی کے نظام جاگیرداری کے بارے میں جو دستاویزات ملی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ کسانوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ گاؤں ہی میں رہیں اور وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوں۔ انہیں یہ بھی ہدایت دی گئی تھیں کہ وہ جاگیردار کو لگان ادا کریں اور اس کے احکامات کی تعمیل بھی کریں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کسانوں کو ان کے رہائشی علاقوں میں محدود کر دیا گیا جس کی وجہ سے محدود اقتصادی نظام پیدا ہوا اور علاقائی تعصّبات کو فروغ ملا۔ اس لئے جاگیردار بدلتے رہتے تھے مگر کسان اپنی جگہ مستقل رہتا تھا۔(۳)

جاگیرداروں کے طبقے کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے انہیں خطابات و

امتیازات سے نوازا جاتا تھا۔ دکن میں اسے جاگیر دیتے وقت اس کی پیشانی پر عزت و احترام کا تمغہ باندھا جاتا تھا۔ انہیں مورچھل، چھتری، گھوڑے و ہاتھی رکھنے کی اجازت تھی۔ سب سے زیادہ طاقت ور جاگیردار کو پانچ سازوں کے استعمال کا حق تھا۔ ان کے خطابات ٹھاکر، روات اور نائک تھے، جن سے ان کو پکارا جاتا تھا۔(۴)

جاگیردار کے حساب کتاب کو رکھنے کے لئے محرروں اور کاتبوں کا ایک طبقہ وجود میں آیا جو بعد میں کاسیتھ کے نام سے مشہور ہوا۔ انہوں نے لکھنے پڑھنے پر جو برہمنوں کی اجارہ داری تھی اسے ختم کر دیا(۵) اس لئے برہمن کایستھوں کے طبقے کو برا بھلا کہتے نظر آتے ہیں۔

اس نظام کے تحت شمالی ہند کے دیہی علاقوں میں گاؤں کا مکھیا سرپنچوں کا ایک طبقہ ابھرا جو مہاترا کہلاتا تھا۔ یہ زمین کے عطیات اور گاؤں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے۔ گاؤں کی زمین میں ان کا بھی حصہ ہوتا تھا۔(۶)

اس نظام جاگیرداری میں ذات پات اپنی جگہ برقرار نہیں رہی بلکہ اس میں تبدیلی آتی رہی۔ سماجی مرتبہ کے تعین کے لئے ذات کے علاوہ زمین اور دولت بھی اہم عناصر تھے اسی وجہ سے شودر غلامی اور نیچ ذات کے چکر سے نکل کر کسان بن گئے اور ان کا درجہ ویش کے برابر ہو گیا۔ ہیوں سانگ اور البیرونی نے ویش اور شودر کو کاشتکار کہا ہے جن کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں تھا۔(۷) اگرچہ چھٹی سے پانچویں صدی قبل مسیح سے یہ فرق واضح ہو رہا تھا۔ زمین اور فوجی طاقت کی غیر یکساں تقسیم کے نتیجہ میں جاگیردارانہ مراتب وجود میں آ گئے تھے۔ ان مراتب میں ذات کا سوال نہیں تھا۔

جب ہندوستان میں بادشاہتیں قائم ہوئیں تو اس وقت جاگیروں کو چار درجوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ ایک ریاست کی ضرورت پوری کرنے اور قربانی کی رسومات کی ادائیگی کے اخراجات کے لئے، دوم، وزیروں اور عہدے داروں کی تنخواہوں کے عوض، سوم، باصلاحیت افراد کو بطور انعام، چہارم، مذہبی خیرات اور برہمنوں کی مدد کے لئے۔ خاص طور سے برہمنوں کو زمینیں دینے کا رواج ہو گیا تھا۔ بادشاہوں کے علاوہ مالدار تاجر بھی زمین خرید کر انہیں بطور عطیہ دیتے تھے، مگر یہ اصول واضح تھا کہ ''زمین نہیں خریدی جاتی تھی بلکہ اس پر کاشت کرنے کا حق خریدا جاتا تھا''۔

ہندوستان میں ابتدائی زمانے میں نجی جائیداد کا ادارہ اس لئے وجود میں نہیں آیا کیونکہ کاشت کی زمین پر فصل کاٹ کر باقی میں آگ لگا دی جاتی تھی تاکہ زمین زرخیز ہو سکے۔ اس لئے کاشت کی زمین بدلتی رہتی تھی، مستقل نہ تھی۔ لہٰذا ایک ہی پلاٹ پر کسی کا قبضہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ غیر آباد زمین کافی تھی کہ جس کو قابل کاشت بنا کر وہاں کاشت کی جاتی تھی مزید برآں ان زمینوں پر کاشت کا حق فرد کو نہیں بلکہ پور برادری کا ہوتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے جاگیردارانہ نظام کو یورپ سے مختلف کر دیا تھا۔

مسلمانوں حکمراں اور نظام جاگیرداری

ہندوستان میں مسلمان فاتحین اپنے ساتھ مشرق وسطی کا نظام جاگیرداری لے کر آئے۔ اس لئے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ یہ نظام عربوں اور دوسرے مسلمان حکمران خاندانوں میں کس طرح سے قائم ہوا۔

عربوں کے لئے زمین کے مالکانہ حقوق کے بارے میں اس وقت سوال پیدا ہوا جب انہوں نے عراق کو فتح کیا۔ جب اس سلسلہ میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ سے رائے معلوم کی گئی تو آپ نے لوگوں کو مالکانہ حقوق دینے سے انکار کر دیا کہ اس سے کچھ خاندانوں کو فائدہ ہوگا اور آنے والی نسلوں کے اس روایت سے حقوق غضب ہوں گے۔ اس لئے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ زمین کو جاگیر میں دینے کے بجائے اس کی آمدنی کو لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے۔

لیکن اقطاع یا زمین کے ٹکڑے کہ جن پر کاشت نہیں ہوتی تھی۔ مختلف افراد کو دیئے گئے کہ انہیں قابل کاشت بنائیں۔ یہ زمینیں ٹیکس سے آزاد تھیں۔ جب ان زمینوں کو قابل کاشت بنا لیا گیا تو پھر یہ نجی بن گئیں اور موروثی طور پر خاندان میں منتقل ہونے لگیں۔

یہ اقطاع دو قسم کے تھے: اقطاع تملیک (مملوکہ جاگیر) اور اقطاع استقلال (وظائف) الحاوردی نے اس موضع پر تفصیل سے اپنی کتاب ''الاحکام السطانیہ'' میں بحث کی ہے۔ اس کے مطابق اقطاع تملیک تین قسم کی زمینیں ہو سکتی تھیں۔ غیر آباد، آباد، اور وہ کہ جہاں سے معدنیات نکلتی ہوں۔ غیر آباد جاگیر کے لئے حکمراں کو یہ حق تھا کہ وہ کسی کو آباد

کرنے کی غرض سے دے دے۔ اس پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ آباد ہونے کے بعد یہ زمین کب تک اس کے مالک کے پاس رہے گی۔ لیکن عام حالات میں عملی طور پر ایسی زمینیں اس خاندان کی ملکیت میں رہیں کہ جس نے انہیں آباد کیا تھا۔(۹)

''اقطاع استقلال'' قابل کاشت زمین ہوتی تھی اور یہ مالک کو ٹیکس کے سمجھوتے کے بعد دی جاتی تھی۔ مالک کسانوں سے خراج اور زمین کا ٹیکس لیتا تھا اور خود عشر ادا کرتا تھا۔(۱۰)

فوجی خدمات کے عوض اقطاع دینے کا سلسلہ آل بویہ(۱۰۵۵-۹۴۵) کے دور حکومت سے شروع ہوا۔ اس میں فوجی افسروں کو زمین دی جاتی تھی وہ تنخواہ کے عوض ہوا کرتی تھی۔ سلجوقی عہد میں نظام الملک طوسی (وفات ۱۰۹۵) نے بھی اس سلسلہ کو اختیار کیا اور فوجی سرداروں کو نقد کے بجائے زمینیں دینی شروع کر دیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح اقطاع دار زمین کا خیال رکھیں گے اور اس سے زرخیزی بڑھے گی۔ سلجوقی دور میں اس کو موروثی نہیں بنایا گیا تھا بلکہ اقطاع دار حکمراں کی مرضی کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ مرکزی حکومت میں انتظامیہ اس کی پوری تفصیل رکھتی تھی کہ اقطاع دار کے پاس کتنی زمین ہے۔ ریونیو کی آمدنی کتنی ہے، اور وہ کتنی فوج رکھتا ہے۔ اس سے اس کی ملازمت کی شرائط طے ہوتی تھیں۔ اقطاع کے نظام میں زمین اقطاع دار کی ملکیت نہیں ہوتی تھی۔ یہ اسے حکومت کی جانب سے ملتی تھی اور یہ اس شخص پر کہ جسے ملتی تھی، منحصر ہوتا تھا کہ اسے کتنی زمین دی جائے۔ اس کی کارگزاری پر یہ زیادہ بھی ہو سکتی تھی، لیکن اگر اس سے غلطی ہو جائے، یا کارگزاری خراب ہو تو اس صورت میں اسے چھین بھی لیا جاتا تھا۔ حکمراں خوشنودی پر وہ دوبارہ سے بھی دے دی جاتی تھی۔ اقطاع دار کو یہ حق نہیں تھا کہ اسے فروخت کرے یا پٹہ پر دے۔ اور نہ ہی وہ اسے اپنی وصیت میں شامل کر سکتا تھا۔ اس کے کسانوں پر کوئی سیاسی، عدالتی یا ذاتی اختیارات بھی نہیں تھے۔ کیونکہ وہ حکمراں کی رعیت تھے اور اس کے ساتھ وفادار ہوتے تھے۔ معاشرے میں اقطاع دار کا مرتبہ اس کی زمین سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کا تعین اس کے منصب، عہدے، فوجی حیثیت، اور حکمراں سے اس کے تعلقات سے ہوتا تھا۔

اس کے برعکس یورپ کے فیوڈل نظام میں، زرعی جاگیر جب فیوڈل لارڈ کو دی

جاتی تھی تو کسانوں کی خدمات بھی اس کے حوالے کر دی جاتی تھیں جو زمین پر کاشت کے عوض اسے لگان دیتے تھے۔ یہ جائیداد مرکزی حکومت کی نگرانی سے آزاد ہوتی تھی اور اس کا لارڈ اس کا مالک اور وسیع اختیارات کا حالم ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کی حیثیت کسانوں اور اپنے ملازموں سے برتر ہوتی تھی مگر وہ ان کی محنت اور کارکردگی پر انحصار کرتا تھا۔ فرانس میں جب جائیداد موروثی ہوگئی تو اس کے بعد سے فوجی خدمات دینے کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ اب اس سے فیوڈل لارڈ کے سماجی مرتبہ کا تعین ہوتا تھا اور وہ امراء کے دائرے میں آ جاتا تھا۔

یورپ کا فیوڈل ازم ایک ایسا نظام تھا کہ جس میں سماجی درجہ بندی سیاسی اقتدار و طاقت، طریقہ زندگی و رہن سہن، ثقافت و معیشت ان سب کا انحصار زمین کی پیداوار سے تھا۔ (۱۲)

جب سلجوقی حکمراں کمزور ہوئے تو اس سے فائدہ اٹھا کر اقطاع داروں نے زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں موروثی بنا دیا۔ اب وہ لوگ کہ جنہیں زمین بطور تنخواہ دی گئی تھیں نہ صرف ٹیکس لیتے تھے بلکہ کسانوں پر زمین کی حق ملکیت بھی جماتے تھے۔ اس عرصہ میں انہوں نے جو دولت اکٹھی کی اس سے اور زمینیں خریدیں اور ان کو اقطاع میں شامل کر کے وراثت کے اصول کو قائم کردیا۔ (۱۲) جب سیاسی انتشار کے دوران، انہوں نے کسانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور انہیں اپنی رعایا سمجھنا شروع کر دیا تو اس صورت میں وہ یورپی فیوڈل ازم کے قریب ہو گئے۔

عہد سلاطین میں جاگیرداری کا نظام

ہندوستان میں میں اقطاع کے نظام کو غوری فاتحین اپنے ساتھ لے کر آئے۔ اس نظام میں زمین کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اول، خالصہ زمین جو حکمراں کے اخراجات کے لئے ہوتی تھی، دوم اقطاع جو فوجیوں کو دی جاتی تھی۔ یہ امراء کا مرتبہ بھی حاصل کر لیتے تھے اور اقطاع دار کہلاتے تھے۔ ان کے پاس معاشی اور سیاسی اختیارات ہوتے تھے تاکہ یہ پیداوار کو بڑھا سکیں۔ سوم، وہ جاگیریں جو مذہبی و سماجی بہبود کے لئے دی جاتی تھیں۔ یہ ملک، انعام، وقف، مفروظ، اور ادرار کہلاتی تھیں۔

اقطاع داروں کا طبقہ حکمراں خاندانوں کے ساتھ بدلتا رہتا تھا۔ غوری دور میں جن امراء کو اقطاع دیئے گئے ان میں آزاد اور غلام دونوں شامل تھے۔ چونکہ اس ابتدائی عہد میں مرکزی حکومت مستحکم نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے اثر و رسوخ کو بڑھا لیا تھا۔ خاندان غلاماں کے حکمرانوں کا تعلق کسی قدیمی شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ اس لئے وہ دوسرے امراء سے خود کو برتر ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے امراء ہر وقت بغاوت کے لئے تیار رہتے تھے۔ امراء کے عروج کا زمانہ التمش کے بعد کا ہے کہ جب ''امیر چہل گانہ'' کے نام سے امراء کا ایک گروپ بن گیا تھا جو جائیداد، دولت، اور خطابات میں برابر کے تھے۔ یہ اس قدر طاقت ور ہو گئے تھے کہ بادشاہ تک کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے مفادات کے پیش نظر اپنی پسند کے بادشاہ تخت پر بٹھائے۔ جب رضیہ سلطانہ ان کی مرضی کے خلاف حکمراں بنی تو انہوں نے ہی مل کر اسے شکست دی۔ ان کا زور اس وقت ٹوٹا جب بلبن (۸۶-۱۲۶۶) بادشاہ بنا، چونکہ ایک زمانہ میں اس کا بھی اس گروہ سے تعلق رہ چکا تھا اس لئے وہ ان کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ بادشاہت کا ادارہ اس وقت تک مضبوط نہیں ہو سکتا ہے جب تک ان امراء کی طاقت کو نہیں توڑا جائے گا۔ لہٰذا اس نے ان طاقتور امراء کے خلاف ایک ایک کر کے اقدامات کئے اور ضیاء الدین برنی کے مطابق اس نے ان سربرآوردہ امراء کو شراب یا شربت میں زہر دلوا کر مار ڈالا۔ (۱۳)

بلبن ہی کی توجہ اس امر کی طرف دلائی گئی کہ التمش زمانے کے اقطاع دار نا اہل و ناکارہ ہو گئے ہیں اور اپنے فرائض میں لیت و لعل کرنے لگے ہیں۔ وہ ہدایت کے مطابق مقررہ تعداد میں فوجی نہیں رکھتے ہیں اور دیوان عرض (فوج کا شعبہ) کے ساتھ مل کر گاؤں کو اپنے قبضے میں لئے ہوئے ہیں۔ جب اس نے معلومات اکٹھی کیں تو اسے معلوم ہوا کہ ان اقطاع داروں میں بہت سے تو بوڑھے ہو گئے تھے۔ ان میں سے جو وفات پا گئے تھے ان کی جائیدادیں ان کی اولاد نے بطور میراث اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔ یہ اقطاع دار خود کو مالکی یا انعامی (یعنی ملکیت کے حقوق یا بطور انعام جائیداد کا ملنا) سمجھتے تھے اور یہ دلیل دیتے تھے کہ یہ جائیدادیں التمش نے انہیں انعام میں دی تھیں۔ ان کے ذمہ جو فوج رکھنا تھی یہ اس شرط کو پورا نہیں کرتے تھے اور دیوان عرض کے اہل کاروں کو رشوت دے کر کاغذی

کاروائی پوری کرا لیتے تھے۔

بلبن نے ان اقطاع داروں کا یہ حل نکالا کہ جو بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور جنگ کے قابل نہیں رہے تھے ان کے ۴۰ سے ۵۰ سکہ وظیفہ مقرر کر کے ان کی جائیدادیں خالصہ میں شامل کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد دوسرے گروہ کہ جس میں ادھیڑ عمر کے لوگ تھے، ان کی تنخواہیں بھی ان کی استعداد کے مطابق مقرر کیں اور حکم دیا کہ جائیداد کی فاضل آمدنی ان سے لے لی جائے مگر گاؤں ان کے پاس رہیں۔ تیسرا گروہ کہ جس میں یتیم اور بیوائیں تھیں، ان کے بارے میں حکم دیا جائیداد کی آمدنی سے ان کے اخراجات ادا کر کے باقی خزانے میں جمع کرا دیا جائے۔

بلبن کے ان احکامات کی وجہ سے تمام اقطاع داروں میں صف ماتم بچھ گئی انہوں نے فخر الدین کوتوال کے پاس آ کر کہا کہ ''شمس الدین کے عہدے سے آج تک جو پچاس سال سے زائد کی مدت ہوئی ہے دو آبہ کے اطراف میں ہمارے اقطاع تھے، جو ہم کو بادشاہ نے دیئے تھے، ہم سمجھتے تھے کہ وہ ہم کو بطور انعام دیئے گئے ہیں، اور ہمارے اہل و عیال کی گزر بسر کا ان ہی پر انحصار تھا۔ جتنی ہم کو مقدرت تھی، لشکر کی تیاری کے لئے گھوڑے و اسلحہ دیوان عرض میں پیش کرتے تھے۔ بادشاہوں کے درباروں میں حاضری دیتے تھے اور ہم میں سے جو لوگ اس قابل ہوتے کہ ٹکر میں شریک ہوسکیں وہ لشکر میں شامل ہو جاتے تھے۔

ہمیں نہیں معلوم تھا کہ پیرانہ سالی میں ہم کو یوں راندۂ درگاہ کر دیا جائے گا۔''

بلبن نے ان کا یہ احوال سن کر ان کی جائیدادیں ان کے پاس رہنے دیں۔(۱۴)

برنی کی اس تفصیل سے ایک تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقطاع داروں کے فرائض کیا تھے؟ دوسرے یہ کہ جب بادشاہ کمزور ہوا تو انہوں نے زمین پر قبضہ کر لیا اور رشوت و سفارش کے ذریعہ اپنی مراعات کو باقی رکھا۔ بلبن نے بھی ان کی خاندانی خدمات کے پیش نظر یہ زمینیں ان کے پاس رہنے دیں۔

علاؤالدین (۱۳۱۶-۱۲۹۶) سازش کے ذریعہ اپنے چچا جلال الدین کو قتل کر کے بادشاہ بن تھا۔ اس لئے خود اس کے ابتدائی عہد میں کئی امراء نے سازشیں کیں کہ اس کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کیا جائے۔ چنانچہ جب اس نے اس کا جائزہ لیا کہ امراء کیوں

سازش کرتے ہیں تو اور باتوں کے علاوہ ان میں ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کے پاس کافی دولت جمع ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس نے برنی کے مطابق:

> ''حکم دیا کہ جس کسی کے پاس بھی اگر کوئی گاؤں، ملک، انعام یا وقف کے طور پر ہے، تو اس کو قلم کی ایک ہی جنبش (بہ یک قلم) سے خالصہ میں واپس لے لیں۔...... حالت ہوگئی کہ ملوک و امراء کے گھروں میں تھوڑا روپیہ بھی باقی نہیں رہا۔ اس کی غائیت طلبی اس حد تک کو پہنچ گئی کہ ان چند ہزار تنکوں کے علاوہ جو دہلی میں بطور وظائف دیئے جاتے تھے، تمام بلاد ممالک میں وظائف (ادرارات) انعامات، مفروضات، اور اوقاف واپس لے لئے گئے۔ چنانچہ ہر شخص روزی کمانے میں ایسا مصروف ہو گیا کہ بغاوت کا نام بھی کسی کی زبان پر نہیں آتا تھا''۔(۱۰)

اس کے علاوہ علاؤالدین نے زمینداروں کی طاقت کو کچلنے کے لئے زرعی اصلاحات کیں اور یہ حکم دیا کہ دو آبہ اور دوسرے زرخیز علاقوں سے پیداوار کا نصف حصہ لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

> چودھریوں خوطوں اور مقدموں کا سرکشی کرنا و بغاوت کرنا، گھوڑے پر سوار ہونا، ہتھیار باندھنا، اچھے کپڑے پہننا اور پان کھانا بالکل ختم ہو گیا۔ محصول لینے کے معاملہ میں سب پر ایک ہی حکم نافذ تھا۔ لوگوں کی اطاعت کا یہ حال ہوگیا کہ قصابت کی کچہریوں (دیوان ہا) کا ایک سپاہی بیس خوطوں، مقدموں، اور چودھریوں کی گردن میں رسی (رشتہ) باندھ کر لاتوں اور لکڑی سے مارتا تھا کہ محصول کی ادائیگی (مطالبہ خراج) کریں۔ کسی ہندو کے لئے اب یہ ممکن نہ تھا کہ سر اونچا کرے۔ ہندوؤں کے گھروں میں سونے، چاندی، تنکہ، جیتل، اور ضرورت سے زیادہ سامان جو تمرد اور سرکشی کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کا نشان تک نہیں رہا''۔ (۱۶)

عہد سلاطین میں چونکہ حکمران خاندان تیزی سے بدلتے تھے۔ اس لئے نیا

حکمراں خاندان اقتدار میں آنے کے بعد اپنے حامیوں کا نیا گروہ بناتا تھا اور انہیں جاگیریں و زمین دیتا تھا۔ اس وجہ سے اس دور میں اقطاع داروں کا کوئی مستقبل طبقہ وجود میں نہیں آیا۔ اس کا اندازہ برنی کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اس نے سلطان غیاث الدین تغلق (۱۲۳۵-۱۳۲۰) کے بادشاہ بننے کے بعد جائیداد کی منسوخی و اجراء کے بارے میں دیا ہے۔ اول تو اس نے عہد علاؤالدین کے اقطاع داروں کی زمینوں کو بحال کر دیا۔ مگر جو جائیدادیں خسرو خاں نے (۱۳۲۰) اپنے چار مہینوں کی حکومت کے دوران دیں تھیں اور دیوان وزارت میں ان کا اندراج تھا، ایسی جائیدادوں کو فوراً ختم کر دیا، اسی طرح جو زمینیں قطب الدین (۱۳۲۰-۱۳۱۶) کے عہد میں بے جا سرپرستی کے طور پر دی تھیں انہیں چھان بین کے بعد یا تو ختم کر دیا اور یا بحال کر دیا۔(۱۷)

فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸-۱۳۵۱) جن حالات میں تخت نشین ہوا تھا۔ اسے خاص طور پر علماء و مشائخ کی حمایت کی ضرورت تھی۔ ان قدیم امراء کی جو محمد تغلق کے زمانہ میں مراعات سے محروم ہو گئے تھے مدد چاہتے تھے اس لئے اس نے برنی کے بیان کے مطابق ''ایک سو ستر برس میں بادشاہوں نے مسادات، علماء، مشائخ اور دیگر مستحقین کے حق میں جو وظائف، گاؤں اور زمین دی تھی اور جو بعد میں خالصہ میں شامل ہو گئی وہ سب ان لوگوں کی اولادوں میں بحال کر دیں''۔(۱۸)

جب لودی خاندان بر سر اقتدار آیا (۱۵۲۶-۱۴۵۱) تو کچھ تو اقطاع دار سیاسی انتشار اور مرکزی حکومت کے فاتحہ اور کمزوری کی وجہ سے آزاد و خود مختار ہو گئے تھے اور کچھ اس اتار چڑھاؤ میں غائب ہو گئے تھے۔ لودیوں کا تعلق چونکہ پٹھانوں سے تھا اس لئے انہوں نے دوسری ذات و نسل کے لوگوں پر زیادہ اعتبار نہیں کیا۔ بہلول لودی نے خصوصیت سے پٹھانوں سے درخواست کی کہ وہ ہندوستان میں آ کر اس کے ہاتھ مضبوط کریں۔ مخزن افغانی کے مصنف کے بقول:

> ''اس نے اپنی بہی خواہوں میں سے چند ایک کے ساتھ مشورہ کیا کہ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ یہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں کے پاس وسائل بہت ہیں اور عوام میں ان کا اثر و رسوخ بھی بہت ہے جب کہ میں یہاں بے کس اور غریب الدیار

ہوں اور میرے خویش و اقربا کی تعداد یہاں اتنی نہیں کہ کسی آڑے وقت میں میری مدد کر سکیں۔ اس لئے اگر تم مناسب سمجھو تو میں روہ کے علاقے سے اپنے کچھ عزیز اور رشتہ داروں سے مدد مانگ لوں۔''(۱۹)

جب امراء نے اس تجویز کو پسند کیا تو سلطان نے افغان قبیلوں کے سرداروں کے نام خطوط لکھے اور انہیں ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ اس طرح سے اس نے پٹھان حمائیتوں کی ایک جماعت تیار کی اور انہیں اپنا وفادار بنانے کے لئے انہیں زمینیں دیں۔(۲۰)

بہلول لودی نے قبائلی روایات کا خیال کرتے ہوئے کبھی پٹھان جاگیرداروں کو کم تر نہیں سمجھا اور ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا۔ وہ تخت کی بجائے ان کے ساتھ قالین پر بیٹھتا تھا اور ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ سکندر لودی کے زمانہ میں پٹھان جاگیرداروں کے بارے میں ''واعقات مشتاقی'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

''آدھا ملک فار مولیوں کو بطور جاگیر دے دیا گیا تھا اور آدھا دوسرے افغان قبیلوں کو۔ اس کے عہد میں لوہانی اور فار مولی اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ سروانی قبیلہ کا سردار اعظم ہمایوں تھا۔ جب کہ لودیوں کے چار سردار تھے۔''(۲۱)

ملک کی اس طرح سے جاگیروں میں تقسیم کے نتیجہ میں سلطان اور جاگیرداروں میں کشمکش کی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ اگر حکمراں میں صلاحیت و لیاقت ہوتی تو وہ جاگیرداروں کو اپنے قابو میں رکھتا تھا ورنہ اسے بغاوتوں سے دو چار ہونا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ جب جاگیردار آزاد خود مختار ہو جاتے تو ان سے مراعات کا چھین لینا مشکل ہو جاتا تھا۔

افغانوں کے زمانہ میں سلطان اور پٹھان جاگرداروں کے درمیان تصادم کی ایک وجہ یہ تھی کہ افغان جاگیردار قبائلی کردار کے حامل تھے بہلول لودی نے اپنے رویہ سے انہیں مطمئن کر رکھا تھا۔ مگر جب ابرہیم لودی نے بادشاہ کی طاقت کو بڑھانے کی خاطر ان پر سختی تو انہوں نے اس سے بغاوت کر کے بابر کو ہندوستان آنے کی دعوت دے دی۔

عہد سلاطین میں اقطاع کا نظام بادشاہ اور اقطاع داروں کے درمیان ایک فوجی

معاہدہ تھا کہ وہ اپنے اقطاع کی آمدنی کو ایک خاص مقرر شدہ فوج رکھنے میں استعمال کرے گا اور جب بھی ضرورت پڑے گی فوج کے ساتھ اس کی مدد کرے گا۔ اس لئے سلطان نئی فتوحات، بغاوتوں کے خاتمہ اور شورشوں کو دبانے کے لئے ان پر انحصار کرتا تھا۔

بادشاہ اگر طاقت ور ہوتا تو اسے بڑے بڑے اقطاع داروں کی مدد حاصل رہتی تھی۔ اس کی وجہ سے دوسرے چھوٹے اقطاع دار بھی وفادار رہتے تھے۔ مگر کمزور بادشاہ کے زمانہ میں نہ تو یہ مرکزی حکومت کی مدد کرتے تھے اور نہ ہی اس کا مالی حصہ اسے دیتے تھے۔ اس لئے حکمراں نہ تو بغاوتوں کا خاتمہ کرسکتا تھا اور نہ ہی اپنا دفاع۔

بڑے بڑے اقطاع دار چونکہ امراء کے طبقے میں آ جاتے تھے اس لئے یہ دربار یا صوبوں کے بڑے شہروں میں رہتے تھے۔ ان کا تعلق اپنی جائیداد کی کسانوں سے نہیں ہوتا تھا، ریونیو کی وصولیابی ان کے کارکن کرتے تھے۔

انہیں جائیداد سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کی وجہ سے ان کا معیار زندگی انتہائی بلند ہو گیا تھا۔ مثلاً سلطان فیروز شاہ کے وزیر خان جہاں کو اپنی جاگیر سے ۱۵ لاکھ تنکے ملا کرتے تھے۔ جب اس کا ایک امیر ملک شاہین مرا ہے تو اس نے ترکہ میں ۵۰ ہزار تنکے چھوڑے۔ قیمتی اشیاء، ہیرے جواہرات اور دوسری جائیدادیں علیحدہ سے تھیں۔ ایک دوسرے امیر نے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی رقم جمع کی تھی۔ محمد میاں کالا پہاڑ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کے پاس ۳۰۰ من سونا تھا۔ یہ صورت حال صرف مسلمان جاگیرداروں کی ہی نہیں تھی، ہندو جاگیردار بھی اپنی دولت کی وجہ سے مشہور تھے ہیرا نیا اور گوردھن کے پاس ۷ گاؤں تھے اور ۱۰ لاکھ تنکے سے زیادہ رقم۔ (۲۲)

لودی اور سوری دور میں افغان جاگیردار اپنی جاگیروں پر رہتے تھے۔ اس لئے ان کا تعلق مقامی آبادی سے گہرا ہو گیا تھا۔ انہوں نے ہندوستانی رسومات اختیار کر لی تھی اور اپنے رہن سہن میں مقامی آبادی سے مل گئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں ترک و ایرانی خود کو مقامی لوگوں سے برتر سمجھتے تھے۔ فارسی زبان کی وجہ سے بھی ان کے اور مقامی لوگوں کے رابطے نہیں تھے۔ افغانوں نے مقامی زبانیں سیکھ لیں تھیں اور ہندوستان میں اپنی جڑیں جما لی تھیں کیونکہ ایک طرح سے ان کا تعلق اسی سرزمین سے تھا۔

اقطاع داری اور جاگیرداری کے اس نظام میں کسان کی زندگی مفلسی و غربت

میں گزرتی تھی۔ اسے پیداوار کا بڑا حصہ لگان کی صورت میں ادا کرنا ہوتا تھا۔ اس کے بعد اسے پجاری یا مندر کو دینا ہوتا تھا۔ بعد میں اس کے پاس جو کچھ بچتا تھا وہ اس کے لئے نا کافی ہوتا تھا۔ اس لئے ہندوستان کا کسان نیم برہن و فاقہ کشی کی تصویر تھا۔ حکمراں اپنی فوجی طاقت وقوت کی بنیاد پر پیداوار کی زائد مقدار گاؤں سے لے جاتے تھے اور اسے شہروں میں استعمال کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے گاؤں کی زندگی انتہائی پس ماندہ اور ٹھہری ہوئی رہی۔

جاگیرداری عہد مغلیہ میں

جاگیر کی اصطلاح ہندوستان میں پندرھویں صدی میں استعمال ہونا شروع ہوئی ورنہ اس سے پہلے تیول یا قطاع کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ بابر (۱۵۳۰-۱۵۲۶) نے سلاطین کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے اقطاع کے نظام کو برقرار رکھا اور فتح کے بعد اپنے امراء کو مفتوحہ زمین بطور اقطاع دیں۔ ہمایوں (۵۶/۵۵-۱۵۳۰) کو اتنا وقت نہیں مل سکا کہ وہ اس نظام کو مضبوط کرتا۔ اس لئے اس نظام کی تشکیل نو اکبر (۱۶۰۵-۱۵۵۶) کے زمانہ میں ہوئی۔ اب جاگیر صرف اس غرض سے دی جاتی تھی کہ جاگیردار مرکزی حکومت کو فوج فراہم کرے گا۔ مگر اکبر نے اپنا منصب داری کا جو نظام چھالا اس میں فوجی ہو یا منتظم، اسے تنخواہ کے عوض جاگیر دی جاتی تھی۔ اس لئے جاگیر انتظامیہ کی تشکیل میں ایک اہم عنصر بن گئی۔

کسی بھی منصب دار کو جاگیر ملک کے کسی حصہ میں بھی دی جا سکتی تھی۔ اس خیال سے کہ جاگیردار اپنے علاقے میں اثر ورسوخ قائم نہ کرے۔ اس کا تین یا چار سال بعد تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اسے کبھی جاگیر سندھ میں دی جاتی تھی۔ اور کبھی بنگال میں۔ جاگیر کے تبادلوں کے اثرات منفی بھی تھے اور مثبت بھی۔ جاگیر کے ان تبادلوں کی وجہ سے جاگیر کے انتظام میں گڑ بڑ ہو جاتی تھی، کیونکہ جاگیر دار کو جانے اور دوسرے کو وہاں آ کر چارج لینے میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ اس دوران میں منصب دار ادائیگی سے محروم رہتا تھا۔ اگرچہ بعد میں ادائیگی بھی ہو جاتی تھی اور اس کے بقایا جات بھی ادا کر دیئے جاتے تھے مگر اس کی وجہ سے انتظام صحیح طور پر نہیں چلتا تھا۔ جاگیروں کے اس تبادلوں کی وجہ سے

جاگیردار اس کی بہتری کی طرف پوری توجہ نہیں دیتا تھا اور اس کے انتظامات کو ماتحتوں پر چھوڑ دیتا تھا۔ (۲۳) لیکن اس کا فائدہ یہ تھا کہ منصب دار کو ملک کے ہر حصے اور علاقے سے واقفیت ہو جاتی تھی اور مسلسل حرکت کی وجہ سے ملک اور معاشرے کے بارے میں اس کا وژن وسیع ہوتا تھا۔

یہ جاگیردار ''تیول دار'' بھی کہلاتے تھے۔ شاہی خاندان کے جن افراد کو جاگیریں دی جاتی تھیں یہ ''تیول وکلائے سرکاری دولت مدار'' کہلاتے تھے۔ چونکہ جاگیر تنخواہ کے عوض دی جاتی تھی اس لئے یہ جاگیر تنخواہ جاگیر یا تنخولہ جاگیر کہلاتی تھی۔ وہ جاگیریں کہ جن کے ساتھ کوئی شرط نہیں ہوتی تھی وہ انعام کہلاتی تھیں۔(۲۴)

وہ جاگیر جو کسی کو دے دی گئی ہوتی تھی مگر وقتی طور پر اس کی نگرانی بادشاہ کے ملازمین کر رہے ہوتے تھے وہ ''پائے باقی'' کہلاتی تھیں۔ خالصہ جاگیر بادشاہ اور شاہی خاندان کے اخراجات کے لئے ہوتی تھی۔ یہ وقت و حالات کے ساتھ گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ بادشاہ اکثر زرخیز اور اچھے علاقوں کو خالصہ جاگیر میں شامل کر لیا کرتا تھا۔ مگر جب ضرورت پڑتی تھی تو اس میں سے منصب داروں کو بھی دے دی جاتی تھی۔(۲۵)

جیسے جیسے مغل سلطنت کا پھیلاؤ بڑھتا گیا اسی طرح سے منصب داروں کی تعداد بڑھتی رہی۔ ایران و توران سے یہاں پر امراء اس امید پر آتے تھے کہ انہیں یہاں زیادہ مواقع ملیں گے۔ اس لئے ان لوگوں کو منصب بھی دیئے جاتے تھے اور جاگریں بھی۔ مغلوں نے راجپوتوں، مراہٹوں، اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی جاگیریں دیں۔ اس کی وجہ سے سلطنت پر کافی بوجھ ہو گیا تھا۔

جاگیر کے انتظام کا طریقہ یہ تھا کہ جاگیردار ریونیو اور ٹیکس کی وصولیابی کے لئے اپنے کارکن مقرر کرتا تھا۔ بڑے جاگیردار، چھوٹے جاگیرداروں کے مقابلہ میں جاگیر کا انتظام بہتر طریقہ سے کر لیتے تھے کیونکہ ان کے پاس زیادہ وسائل ہوتے تھے۔ شہزادوں کے جاگیر میں خالصہ جاگیر سے مل جاتی تھیں۔ ان کی جاگیر کے عامل ''کروڑی'' کہلاتے تھے۔ جاگیر میں اہم عہدے دور امین ہوا کرتا تھا۔ یہ فصل پر مالیہ کا اندازہ لگاتا تھا۔ فوطہ دار خرانچی ہوتا تھا۔ کارکن حساب کتاب رکھتا تھا۔ کبھی ایک ہی شخص کو دو عہدے مل جایا کرتے تھے۔ عام جاگیردار کا گماشتہ عالم ہوا کرتا تھا۔ یہ تعلقدار بھی کہلاتا تھا۔ جاگیردار عامل سے

جو رقم لیتا تھا وہ ''قبض'' کہلاتی تھی۔ جا گیردار ایسے عامل کو ترجیح دیتا تھا جو اسے زیادہ قبض دے۔ عالموں کے تقرر میں وہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ ایسے لوگوں کا تقرر کرے کہ جو مقامی نہ ہوں۔ کیونکہ مقامی ہونے کی صورت میں اپنی بردار، ذات، اور خاندان کے لوگوں کے ساتھ رعایت کر سکتا تھا۔ عاملوں کی نگرانی مشکل ہوتی تھی، کیونکہ جا گیردار عام طور سے دور ہوتا تھا اور اس کے لئے جا گیر کے معاملات کی دیکھ بھال مشکل ہوتی تھی۔ اس وجہ سے بدعنوانیاں عام تھیں۔

کچھ جا گیر دار ریونیو کی وصولیاں کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے اپنی جا گیریں اپنے فوجیوں میں تقسیم کر دیتے تھے تا کہ وہ وہاں سے اپنا خرچہ پورا کریں۔ یہ عام طور سے چھوٹے جا گیردار کرتے تھے کہ جو دور رہتے ہوئے جا گیر کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ کبھی کبھی بڑے جا گیردار ریونیو کی وصولیابی کے لئے اپنی جا گیریں تاجروں کے حوالے کر دیتے تھے۔

ریاست نے جا گیرداروں کو کھلی چھٹی نہیں دے رکھی تھی اور ان پر گہری نظر رکھی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لئے ریاست کی جانب سے کچھ عہدے دار ہوتے تھے تا کہ وہ یہ دیکھیں کہ جا گیردار کا عملہ کسانوں سے زیادہ ریونیو نہیں لے رہا اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے۔ ان عہدے داروں میں قانو گو، فوجدار، اور قاضی اہم عہدیدار ہوا کرتے تھے۔ قاضی کو عدالتی اختیارات حاصل تھے اور اس کی آمدنی کا ذریعہ مدد معاش ہوا کرتی تھی۔ وہ اپنے فیصلوں میں جا گیردار کا ماتحت نہیں ہوا کرتا تھا۔ ان کے علاوہ واقعہ نویس اور سوانح نویس ہوتے تھے جو جا گیر کی صورت حال سے دربار کو آگاہ رکھتے تھے۔ کسان کو یہ اجازت ہوتی کہ ان سے شکایت کر سکتا تھا۔ اگرچہ جا گیردار اس بات کی پوری کوشش کرتا تھا کہ اپنے خلاف شکایتوں کو روکے، مگر اس کے باوجود واقعہ نویس دربار کو اطلاعات بھجواتا رہتا تھا۔

جا گیردار یہ بھی کرتا تھا کہ عامل سے پیشگی قبضہ لے کر اسے جا گیر پر بھیجتا تھا کہ وہ ریونیو وصول کرے۔ عامل اس صورت میں اپنی رقم کو معہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے کسانوں پر سختی کرتا تھا۔(۲۶)

مغل دربار جا گیر کی آمدنی و اخراجات کا پورا حساب رکھتا تھا۔ اس طرح مغل

منصب دار ریونیو وصول کرنے کا تو حق رکھتا تھا مگر جاگیر پر اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ یہ موروثی نہیں ہوتی تھی۔ بڑے منصب دار ایک سے زیادہ بھی جاگیریں رکھ سکتے تھے۔ ان کے لئے ضروری نہیں تھا کہ قریب قریب ہوں، یہ ایک دوسرے سے بھی دور ہوسکتی تھیں اور کئی صوبوں میں بھی۔ بڑے جاگیردار اپنی جاگیروں کو طویل عرصہ کے لئے بھی رکھ سکتے تھے۔ یہ مدت دس سال بھی ہوسکتی تھی۔ مرکزی حکومت اس پر نظر رکھتی تھی کہ ریونیو کی وصولیابی ظلم نہ ہو۔ ریونیو کی وصولیابی مرکز کے مقرر شدہ قوانین کے تحت ہوا کرتی تھی۔

چونکہ منصب داروں کے اخراجات اور آمدنی میں کوئی توازن نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ قرضہ لے کر گزارا کرتے تھے۔ یہ قرضہ ساہوکار اور صراف دیا کرتے تھے اور ریونیو کی وصولیابی کے وقت وہ ادائیگی کا تقاضہ کرتے تھے۔ (٢٧)

راجپورت امراء کو وطن جاگیر دی جاتی تھی جو کہ موروثی ہوتی تھی۔ اس میں شرط یہ تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں رہیں اور انہیں وسعت نہ دیں۔ ضرورت پر بادشاہ کی فوج کے ذریعہ سے مدد کریں۔ اگر ان پر حملہ ہو تو بادشاہ ان کی حفاظت کرے گا۔ اس کے علاوہ انہیں وطن سے باہر بھی جاگیر دی جاتی تھی جو کہ تنخواہ جاگیر کہلاتی تھی۔ مثلاً مہاراجہ جسونت سنگھ کو مارواڑ کے علاوہ حصار میں بھی جاگیر ملی تھی (٢٨)

بادشاہ وطن جاگیر پر قبضہ نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے وارثوں کو دے دیتا تھا۔ اس وجہ سے جب ١٦٧٩ء میں اورنگ زیب نے جودھپور کو خالصہ کیا تو اس سے راٹھور راجپوتوں میں غم وغصہ پھیل گیا۔ (٢٩) وطن جاگیر کے جاگیردار دراصل خودمختار راجپوت حکمراں تھے۔ جب انہوں ے مغل سلطنت کی سیاسی برتری تسلیم کر لی تو یہ بادشاہ کو بطور اظہار وفاداری اور اطاعت گزاری خراج دیا کرتے تھے۔ مگر یہ اپنے اندرونی معاملات میں بالکل آزاد ہوتے تھے اور بادشاہ سے ان کی کوئی شکایت نہیں کی جاسکتی تھی۔ مغل بادشاہ کو یہ حق ضرور تھا کہ وارث کے انتخاب میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اس پالیسی کو بعد میں برطانوی حکومت نے مقامی ریاستوں کے ساتھ اختیار کیا۔

جن راجپوت حکمرانوں نے مغل بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا انہیں راجہ مہاراجہ کے بجائے زمیندار کہا جاتا تھا۔ کیونکہ راجہ اور مہاراجہ کے خطابات سے اس کی سیاسی طاقت اور خودمختاری کا اظہار ہوتا تھا۔ جبکہ زمیندار کی حیثیت سے اس کا درجہ کم ہو جاتا تھا۔ لیکن اس

کے باوجود ان کے علاقوں میں رعایا انہیں حکمراں ہی سمجھتی تھی اور ان کی وفادار ہوتی تھی۔ مغلوں کے زوال کے وقت یہ زمیندار اپنے اپنے علاقوں میں خودمختار ہو گئے اور دوبارہ سے اپنی رعیت سے رشتہ مستحکم کر لیا۔

مدد معاش

جاگیر کی ایک قسم مدد معاش ہوتی تھی جسے سیور غال بھی کہتے تھے۔ یہ مسلمان علماء صوفیاء۔ مشائخ۔ غریب و مفلس، اور وہ شریف خاندان کے لوگ جو کام کرنا نہ چاہیں انہیں یہ بطور مالی مدد دی جاتی تھی۔ اکبر نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہ زمین ہندو جوگیوں اور مندروں کو بھی دیں۔ یہ جاگیریں ٹیکس سے آزاد ہوتی تھیں۔ مگر ان کے تجدید ہوتی رہتی تھی۔ (۳۰) یہ جاگیر عاریتاً دی جاتی تھی اور کسی کی ملکیت نہیں ہوتی تھی۔ مگر مسلمان علماء کی یہ کوشش رہی کہ انہیں موروثی کر دیا جائے۔ اورنگ زیب (۱۷۰۷-۱۶۵۸) کے زمانہ میں ۱۶۹۰ء میں یہ جاگیریں علماء کے دباؤ کے تحت موروثی کر دی گئیں، اس سے علماء کے اثر و رسوخ کا اندازہ ہوتا ہے۔

بدایوانی نے لکھا ہے کہ جب شیخ عبدالنبی صدر الصدور ہوئے تو انہوں نے بہت سی زمینیں بطور مدد معاش علماء میں تقسیم کیں اور اس میں جانبداری سے کام لیا۔ (۳۱) جب کے فتوے لگائے گئے تو اس نے مدد معاش کی جاگیروں کو منسوخ کر کے ان کی دوبارہ سے تجدید کی اور ان علماء کو دیں جنہوں نے اس کے ساتھ وفادار رہنے کا عہد لیا۔

مدد معاش کے اثرات ہندوستان کے معاشرے پر گہرے ہوئے کیونکہ علماء مشائخ اور صوفیا کہ جنہیں یہ جائیدادیں ملیں تھیں، وہ بڑے منصب داروں اور جاگیرداروں کی طرح بڑے شہروں یا دربار میں رہ کر اپنی جائیداد کا انتظام نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ زمین اتنی ہوتی تھی کہ بس ان کا گزارہ ہو جائے۔ اس لئے یہ لوگ اس پر مجبور ہوئے کہ شہروں کو چھوڑ کر دیہات میں اپنی جائیدادوں پر رہیں۔ اس وجہ سے ان میں اور مقامی لوگوں کے تعلقات میں ایک نئے باب کی ابتداء ہوئی۔ اب تک مقامی ہندو فوجیوں اور انتظامیہ کے عہدے داروں سے واسطہ رکھتے تھے۔ مگر اب ان کا واسطہ ان مذہبی لوگوں سے پڑا کہ جو مذہبی علوم کے مطالعہ اور تعلیم میں مصروف رہتے تھے۔ ان دونوں طبقوں کا فرق نمایاں تھا۔

طبقہ اول طاقت وقوت کا حامل تھا جس کی وجہ سے اس کا رویہ رعیت کی طرف سے سختی کا تھا۔ ان میں رعونت وغرور تھا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں علماء و مشائخ کا طبقہ اپنے کم سماجی رتبہ کی وجہ سے ان سے ملنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ان مذہبی لوگوں نے ایک طرف تو ہندوؤں سے اپنے تعلقات بڑھائے تو دوسری طرف حکومت کومقامی حالات سے واقف رکھا۔نعمان احمد نے مدد معاش کے حوالے سے جس مذہبی رواداری کا تجزیہ کیا ہے وہ اپنی جگہ بڑا اہم ہے۔

> ''اجتماعی اعتبار سے اس ادارے کے باعث دیہاتی آبادی میں مذہبی رواداری کا احساس پیدا ہوا۔مسلمان ملک کے اندرونی علاقوں میں جا کرآباد ہو گئے اور ہندوآبادی سے براہ راست ربط وضبط پیدا کیا۔ ان مسلمانوں نے اپنے مذہبی معتقدات اور رسومات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا اور ان کو جوں کا توں برقرار رکھا۔ تاہم وہ مقامی روایات سے تھوڑے بہت متاثر ضرور ہوئے۔ مثلاً وہ مقامی جشن اور میلوں میں حصہ لینے لگے۔ اس لئے نہیں کہ جشن کی فکری بنیادیں ان کے لئے قابل قبول بن گئیں بلکہ محض اجتماعی تعاون اور ہم آہنگی کی خاطر...... اس سے دیہات کے سیدھے سادھے اور تربیت سے محروم ہندوؤں کومسلمانوں کی تہذیب اور مذہبی ارکان ورسومات کے براہ راست مشاہدہ کا موقع ملا۔ آہستہ آہستہ ہندوؤں کومحسوس ہوا کہ مسلمان ایسے کٹرنہیں ہیں جیسا کہ قدیم تعصّبات کے تحت وہ سمجھتے آئے تھے ......چنانچہ دیہات کے ہندوؤں اورمسلمانوں کے درمیان مذہبی رواداری کا ایک محکم رویہ پیدا ہوا اور انہوں نے محسوس کیا کہ موضع کی محدود مگر مربوط زندگی میں ان کی ضروریات اور ان کے مسائل یکساں ہیں۔''(٣٢)

زمیندار

جاگیرداری نظام کا ایک اہم ستون دیہاتی زمیندار ہوا کرتا تھا۔عرفان حبیب کے

خیال کے مطابق زمیندار کے لفظ کا استعمال شاید ہندوستان میں چودھویں صدی میں رائج ہوا ہے کیونکہ یہ اصطلاح ایران میں نہیں پائی جاتی تھی۔ ابوالفضل اس کے لئے ایک اور لفظ ''بومی'' استعمال کرتا ہے (بوم بمعی زمین) (۳۳) آنند رام مخلص نے زمینداری کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ شخص جو اراضی رکھتا ہو اس پر کاشت کرتا ہو۔ یہاں پر یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ اراضی کا مالک کون ہوتا ہے بادشاہ یا زمیندار، قدیم زمانہ میں مالک راجہ یا زمیندار تھے، مغلوں کے زمانہ میں بادشاہ ہوا۔ اب وہ زمیندار کو مقرر اور معزول کر سکتا تھا۔ لیکن درحقیقت زمین کی ملکیت بادشاہ یا زمیندار کی نہیں ہوتی تھی۔ انہیں اس پر ریونیو وصول کرنے کا حق ہوا کرتا تھا۔(۳۴)

زمیندار قبیلہ یا برداری کے وہ سردار تھے کہ جنہوں نے جنگلات کو صاف کر کے زراعت کے لئے زمین ہموار کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعض زمینداروں کے آباؤ اجداد فاتح اقوام سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح زمین پر قبضہ کر کے اس کے موروثی مالک ہو گئے تھے۔ ان زمینداروں میں جاٹ، راجپوت، افغان، اور مقامی مسلمان ہوا کرتے تھے۔ ۱۵۸۰ء سے لے کر ۱۶۸۰ء کی دہائیوں تک زمیندار حکومت کو اس کا مقررہ لگان دیتا تھا اور زمین پر اپنا حق رکھتا تھا۔ یہ وراثت میں اس کے خاندان میں رہتی تھی۔ اسے یہ حق تھا کہ اسے فروخت کرے یا رہن رکھے۔

زمینداروں کی ایک دوسری صورت یہ تھی کہ وہ زمین پر اپنا حق نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ وہ ریونیو وصول کر کے اس میں سے اپنا حصہ نکال کر بقایا حکومت کو دے دیا کرتا تھا۔ ان کے علاوہ وہ زمیندار بھی تھے کہ جو خود کاشت کرتے تھے۔ یہ بھی زمین پر مالکانہ حقوق رکھتے تھے۔

چونکہ ابتداء میں زمین بہت تھی اس لئے اگر کسان کسی ایک زمیندار کے سختیوں سے تنگ آ جاتا تھا تو وہاں سے جا کر کسی اور زمین کو قابل کاشت بنا کر اس پر کاشتکاری کرنے لگتا تھا۔ اس لئے زمینداروں کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کے پاس انہیں روکنے کے لئے کوئی قانون نہیں تھا۔(۳۵)

زمیندار کسانوں پر ٹیکس بھی لگا دیتے تھے جسے دستار شماری، پیدائش اور شادی کے موقعوں پر، مکانوں پر ٹیکس یا ان سے بیگار لیتے تھے۔ (۳۶) کبھی کبھی یہ صورت حال ہوتی

تھی کہ زمین گاؤں کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی اور اس میں ہر ایک کا حصہ ہوتا تھا۔(۳۷)

زمیندار اپنی شان و شوکت اور اپنی حفاظت کے لئے قلعہ، گڑھی اور حویلی تعمیر کراتے تھے۔ یہاں باقاعدگی سے ان کا دربار لگا کرتا تھا۔ یہ اپنی فوج رکھتے تھے جس میں اپنی برادری کے لوگوں کو بھرتی کرتے تھے۔ مگر اس میں دوسرے لوگ بھی آ سکتے تھے۔ چونکہ زمیندار فوج رکھتا تھا اس لئے بغاوت بھی کرتا تھا اور بادشاہ کو بغاوتیں ختم کرنے میں مدد بھی دیتا تھا۔ یہ زمیندار آپس میں بھی لڑتے تھے۔ مگر انہیں کبھی بڑی سلطنت بنانے کا خیال نہیں آیا۔ صرف شیر شاہ سوری (۱۵۴۵-۱۵۴۰) کی ایک مثال ہے جس نے جاگیرداری سے بادشاہت کی طرف ترقی کی۔

زمیندار کے پاس پیدل سپاہی ہوتے تھے۔ گھڑ سوار نہیں۔ چونکہ ان کی قوت بٹی ہوتی تھی اس لئے شاہی فوج سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ غیر ملکی حملہ آوروں کو بھی اس لئے کامیابی ہوئی کیونکہ نا اتفاقی کی وجہ سے دو متحد ہو کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکے۔(۳۸)

دیہاتی زمیندار کے اپنے علاقے میں کافی اختیارات تھے۔ یہ تاجروں پر ٹیکس لگاتا تھا۔ اگر اس کے علاقے میں کانیں ہوتیں تو ان کا بھی ٹیکس وصول کرتا تھا۔ اپنے علاقے سے گزرنے والوں کو مجبور کرتا تھا کہ اسے ٹیکس دیں۔ یہ ٹیکس نقدی یا جنس کی صورت میں ہوتے تھے۔(۳۹)

دیہاتی زمیندار کی نظام جاگیرداری میں بڑی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ اس کا ذمہ تھا کہ وہ یہ دیکھے کہ کیا اس کے علاقے میں تمام زمین زیر کاشت ہے؟ وہ کسانوں کو اس بات پر تیار کرتا تھا کہ بنجر و غیر کاشت زمینوں کو استعمال میں لائیں۔ مرکز اور جاگیرداروں کے لئے زمیندار کی اس لئے ضرورت تھی کہ وہ خود زمینوں سے دور رہتے تھے۔ کسانوں سے ان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے زمیندار کہ جس کا تعلق لوگوں سے ہوتا تھا اور جو برادریوں سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ وہ ان کے مزاج اور حالات کے مطابق ان سے سلوک کرتا تھا۔ وہ کسانوں کے مفادات کا بھی خیال رکھتا تھا۔ نعمان صدیقی نے اس صورت حال کا تجزیہ اس طرح سے کیا ہے:

> ''موضع کی محدود مگر مربوط زندگی میں دونوں کا واسطہ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے سے رہتا تھا۔ دراصل زمیندار کا مفاد تمام تر اور

بھرپور طرو سے موضع کی خوش حالی اور وہاں کی اراضی سے وابستہ تھا...... ایک خوش حال موضع کا مطلب یہ تھا کہ اس کو زیادہ رقم اور خوش حالی ملے گی۔ اس کے علاوہ کاشتکاروں میں تابعداری کا احساس بڑھ گیا تھا...... اس کی دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ درمیانی واسطہ کے طور پر مقررہ مالگذاری کی وصولیابی کر کے خزانے میں جمع کرائے۔ یہ کام ہوشیاری اور اثر کے بغیر ممکن نہیں تھا...... ان فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ وہ امن و قانون برقرار رکھنے کے کام میں بھی شامل رہتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی چور یا مشتبہ، بدچلن آدمی اس کی زمینداری میں پناہ گزین ہے تو اس کی اطلاع دینی پڑتی تھی۔ وہ کبھی کبھی فوجی خدمات انجام دینے کے لئے بھی طلب کر لیا جاتا تھا۔'' (۴۰)

عرفان حبیب کی رائے کے مطابق مقامی زمینداروں کا یہ طبقہ استحصالی تھا کیونکہ یہ زائد مقدار پر قبضہ کر لیتے تھے اور کسانوں سے ناانصافی کے طور پر کئی ٹیکس وصول کرتے تھے۔ زمین پر وراثت کے حق کی وجہ سے ان کی جڑیں گہری اور مضبوط تھیں۔ چونکہ یہ اپنی زمین، کسانوں اور پیداواری طریقوں سے واقف ہوتے تھے اس لئے ان کے استحصال طریقے سخت ہو جاتے تھے۔ لیکن ان کے مفادات صرف اپنی زمین تک محدود رہتے تھے۔ وہ صرف اپنے خاندان کے بارے میں سوچتا تھا اس لحاظ سے اس کا وژن انتہائی تنگ تھا۔ (۴۱)

زمیندار نے اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے عجیب وغریب طریقوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے تین ٹیکس انتہائی اہم تھے۔ محصول راہ، محصول آمدورفت مال، اور محصول میر بحر۔ قدیم زمانہ میں سڑکیں اور شاہراہیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ لوگ پگڈنڈیوں پر چلتے تھے۔ اس لئے زمینداروں نے یہ طریقہ نکالا کہ جو گاؤں سے ہو کر گزرتا اس سے ٹیکس وصول کرتے جو ہاتھ ہلائی یا خاک اڑائی کے نام سے مشہور تھا۔ یعنی پیدل چلنے والے سے ہاتھ ہلانے پر اور گاڑی والے سے خاک اڑانے پر ٹیکس لیا جاتا تھا۔ جو تاجر اپنا مال لے کر گاؤں سے گزرتا تھا اسے مال کے حساب سے ٹیکس دینا ہوتا تھا۔ جس گاؤں میں ندی یا دریا

ہوتا اور وہاں کشتی ٹھہرتی تو اس سے بھی ٹیکس لیا جاتا تھا۔(۴۶)

لیکن زمیندار کی طاقت اور اس کے اختیارات کو بادشاہ چیلنج کرتا تھا۔ اگر وہ اپنے فرائض پوری طرح سرانجام نہیں دیتا تھا اور ریونیو کی باقاعدہ ادائیگی نہیں کرتا تھا تو اسے معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے وفادار شخص کو مقرر کر دیا جاتا تھا۔ زمیندار کو معزول کرنے کا اختیار صرف بادشاہ کو تھا۔ اگرچہ نئے زمیندار کو معزول زمیندار کے خاندان یا برادری سے لیا جاتا تھا، مگر اورنگ زیب کے زمانے میں مسلمان زمیندار بھی مقرر ہوئے۔ شرط یہ تھی کہ ان کے پاس فوجی دستہ ہو۔ زمیندار کو معزول اور مقرر کرنے کی وجہ سے مرکز ان پر کنٹرول کرتا تھا انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اس طرح وہ انتظامیہ کے ماتحت ہوا کرتے تھے۔(۴۳)

سلاطین اور مغل بادشاہوں نے بڑے زمینداروں کی طاقت توڑنے کی کوشش کی اواس کے لئے جو طریقے اختیار کئے وہ یہ تھے کہ ان کی بڑی زمینداریوں کو ٹکڑوں میں کر دیا تاکہ ان کی آمدنی اور طاقت دونوں گھٹ جائیں۔ ان کی زمین دوسری برادری یا قبیلہ کے آدمی کو دے دی۔ باغی زمینداروں کو معزول کیا گیا۔ اور انہیں سرکاری ملازمتیں دی گئیں تاکہ ان پر آسانی سے قابوں پایا جائے۔ (۴۴) مگر ان تمام باتوں کے باوجود زمیندار کی طاقت قائم رہی۔

جب بھی زمیندار بغاوت کرتا تھا تو کسان اس کا ساتھ دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ان کی برادری سے ہوتا تھا۔ وہ ان کا محافظ اور سرپرست تھا جبکہ جاگیردار ایک غیر شخص تھا کہ جس کی صورت بھی وہ نہیں دیکھ پاتے تھے۔ زمینداروں کی بغاوتوں کو اکثر بڑی سختی اور بے رحمی سے کچل دیا گیا۔

تعلقدار

تعلقدار کا لفظ ہندوستان میں سترھویں صدی میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ اس کی ضرورت اس صورت میں ہوئی جب زمیندار نے اسے اپنی زمین کے علاوہ دوسری زمینوں سے کہ جو اس کے پاس تھیں ان کا مالیہ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا۔ یہ زمیندار کی ہدایت اور حکم کے مطابق مالیہ وصول کرتا تھا۔ لیکن جب سیاسی انتشار ہوا تو انہوں نے

اس سے فائدہ اٹھا کر زمینداروں سے اپنا تعلق ختم کر لیا اور ان کے حقوق خود اختیار کر لئے۔ اودھ کے تعلقداروں کا طبقہ اس طرح سے وجود میں آیا۔

کسان

زمینوں کی ایک قسم رعیتی کہلاتی تھی۔ یہاں کسان زمین کا مالک ہوتا تھا اور انتظامیہ براہ راست کسانوں سے حساب کرتی تھی۔ سلطنت کے ریونیو کا تعلق انہیں کسانوں کی زمین سے ہوتا تھا۔

باقی کسان جو مزارع اور اسامی بھی کہلاتے تھے ان کی زندگی انتہائی مفلسی اور غربت میں گزرتی تھی۔ حکومت جو ٹیکس زمینداروں پر لگاتی تھی وہ اسے کسانوں پر ڈال دیتے تھے۔ اس لئے جب کسان انتہائی مجبور ہو جاتا تھا تو وہ گاؤں چھوڑ کر یا تو جنگلوں میں چلا جاتا تھا یا کسی طاقتور زمیندار کے پاس منتقل ہو جاتا تھا جو اس کی حفاظت کر سکتا ہو۔ اس عمل سے چھوٹے زمینداروں کی زمینیں تباہ ہو جاتی تھیں اور وہ خود بھی مالی مشکلات کا شکار ہو جاتے تھے۔ (۴۵) مغل دور میں کسانوں کے بارے میں یورپی سیاحوں کے مشاہدات اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک ولندیزی تاجر گولکنڈہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''یہ لوگ بے حد غریب اور مفلوک الحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ وصولیوں کے باعث ملک ویران ہو گیا تھا۔ مالگذاری کے باعث کسانوں کی کمائی ان کے گزارے کے لئے ہوتی تھی۔ انہیں امراء کے عیش و عشرت کے لئے محنت کرنی پڑتی تھی'' ایک اور ولندیزی تاجر گجرات کے بارے میں لکھتا ہے کہ کسان اپنی پیداوار سے محروم ہو کر گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ ایک انگریز تاجر نے سندھ کے بارے میں لکھا کہ:

> ''آبادی اس درجہ مظالم اور المناک افلاس میں مبتلا ہے کہ باوجود یہ کہ زمین زرخیز اور اچھی ہے اس پر اچھے قسم کی زیادہ مقدار میں نیل پیدا ہو سکتی ہے مگر ان کے پاس گھاس دینے (کاشت کرنے) اور بونے کے لئے نہ تو وسائل ہیں اور نہ حوصلہ'' (۴۶)

برنیر جو ۱۶۵۶ء سے ۱۶۵۸ء تک ہندوستان میں رہا۔ وہ یہاں کے کسانوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''زرخیز زمین کا ایک بڑا حصہ کسانوں کی کمی کے باعث غیر مزروعہ رہتا ہے۔ ان میں سے بیشتر حاکموں کے برے برتاؤ کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بیچارے اپنے حریص مالکوں کے مطالبات پورا نہ کر سکنے کے باعث اپنے ذریعہ معاش سے ہی نہیں بلکہ اپے بچوں سے بھی محروم کر دیئے جاتے ہیں، جن سے غلاموں کے طور پر خدمت لی جاتی ہے...... دیہاتوں میں بے حد ناقص طریقے پر کاشت کی جاتی ہے اورآبپاشی کی کمی سے اس کے زیادہ حصہ میں فصل نہیں ہوتی ہے۔ آبادی کے مصائب کا صحیح نقشہ کھینچنا ممکن نہیں۔ وہ ڈنڈے اور کوڑے کے زور پر دوسروں کی منفعت کی خاطر مسلسل محنت کرتے ہیں۔''(۴۷)

حوالہ جات

۱۔ رومیلا تھاپر Ancient Indian Social History: Orient Longman, Delhi 1978, Reprinted 1990. P.43

۲۔ ارتھ شاستر: (اردو ترجمہ) کراچی ۱۹۹۱۔ص۔۲۲۳

۳۔ رام شرن شرما: سماجی تبدیلیاں: ازمنہ وسطیٰ میں۔ مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۵ءص۔۱۰

۴۔ ایضاً: ص۔ ۱۶

۵۔ ایضاً: ص۔ ۱۸

۶۔ ایضاً: ص۔ ۱۹

۷۔ ایضاً: ص۔ ۲۰

۸۔ ڈی۔ڈی۔ کوسمبی، An Introduction to the study of Indian History Bombay 1956, Repirented. 1994. P.309

۹۔ الماوردی: الاحکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) کراچی ۱۹۶۵ءص ۲۶۳

۱۰۔ Ira M. Lapidus: A History of Islamic Societies. Cambridge 1988. Reprinted 1991. P.75

۱۱۔ ایضاً: ص۔ ۱۵۲-۱۴۶

۱۲۔ ایضاً: ص۔ ۴۹-۱۴۸

۱۳۔ ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی۔ لاہور ۱۹۶۹ءص۔۵۔۱۰۴

۱۴۔ ایضاً: ص۔ ۲۹-۱۴۲

۱۵۔ ایضاً: ص۔ ۴۱۶

۱۶۔ ایضاً: ص۔ ۴۲۳

۱۷۔ ایضاً: ص۔ ۶۲۸

۱۸۔ ایضاً: ص ۸۶- ۸۴-۴۸۳

۱۹۔ خواجہ نعمت اللہ ہروی: تاریخ خاں جہانی ومخزن افغانی۔ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۱۳۸

۲۰۔ ایضاً: ص۔ ۱۴۰

۲۱۔ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن:History of India as told by its own Historians Vol.VI Newyork 1970-P.545

۲۲۔ محمد اشرف: ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں۔فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۱ء ص۲۰۸

۲۳۔ نعمان صدیقی: مغلوں کا نظام مالگذاری، لاہور ۱۹۹۰ء۔ص ۱۶ اطہر علی:Mughal Nobility Under Aurangzeb. Bombay 1970. P.78.79.

۲۴۔ اطہر علی: ص۔۷۵

۲۵۔ ایضاً: ص۔ ۷۴

۲۶۔ ایضاً: ص۹۰۔۸۲

۲۷۔ John F. Richards: The New Cambridge History of India: The Mughal Empire. Cambridge 1993. 18

۲۸۔ ایضاً: ص۲۲۔۲۱، اطہر علی ص۸۰

۲۹۔ اطہر علی: ص۷۱۔۸۰

۳۰۔ رچرڈز: ص۹۲

۳۱۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، حصہ سوم (انگریزی) کلکتہ ۱۹۲۶ء۔ ص۱۲۷

۳۲۔ نعمان احمد: ص۲۱۔۲۰

۳۳۔ عرفان حبیب Agrarian System of Mughal India, Bombay 1963 P.138

۳۴۔ نعمان احمد: ص۵۲۔۵۱

۳۵۔ عرفان حبیب: ص۱۴۴

۳۶۔ ایضاً: ص۱۵۰

۳۷۔ ایضاً: ص۱۵۱

۳۸۔ ایضاً: ص ۱۶۵، رچرڈز: ص ۸۱

۳۹۔ رچرڈز: ص۸۰

۴۰۔ نعمان احمد: ص ۵۸، ۵۷

۴۱۔ عرفان حبیب: ص ۶۸۔۱۶۷

۴۲۔ سرسید: مقالات سرسید۔ جلد شانز دہم۔ لاہور ۱۹۴۰ء ص ۴۰۔۵۳۸

۴۳۔ عرفان حبیب: ص ۱۸۰

۴۴۔ ستیش چندر: Parties and Politics at the Mughal Court. 1707-40 Aligarh 1959. P.XXI

۴۵۔ نعمان احمد: ص ۳۵

۴۶۔ مورلینڈ: اکبر سے اورنگ زیب تک (اردو) دہلی ۱۹۸۱ء ص ۵۱۔۲۵۰

۴۷۔ ایضاً: ص ۲۵۱

چوتھا باب

آخری عہد مغلیہ اور جاگیرداری کا زوال

مغل جاگیرداری نظام میں اس وقت زوال آنا شروع ہوا جب سلطنت بہت زیادہ پھیل گئی اور منصب دار جاگیرداروں کی تعداد بڑھ گئی۔ اگرچہ فتوحات کی وجہ سے بہت سی نئی زمینیں بھی سلطنت میں داخل ہوئیں، مگر ان کا تناسب منصب داروں کی تعداد کے مقابلہ میں کم رہا۔ اس لئے یہ صورت حال ہوئی کہ اورنگ زیب کے آتے آتے منصب داروں کو کئی سال تک جاگیریں نہیں ملتی تھیں۔ جاگیروں کے حصول کے لئے یہ منصب دار سفارشیں کراتے، رشوتیں دیتے اور اپنے مفادات کے حصول و تحفظ کے لئے گروہ بندیاں کرتے۔ اس نے دربار کی صورت حال کو بدل کر رکھ دیا۔ اس مالی بحران نے منصب داروں کو صرف اپنے مفادات تک محدود کر کے رکھ دیا۔

بہادر شاہ اول (۱۷۱۲-۱۷۰۷) کے زمانہ میں جب جاگیروں کی ضرورت پڑی تو انہیں خالصہ کی زمینوں سے نکالا گیا۔ جب یہ بھی ختم ہوگئیں تو اس پر غور کیا گیا کہ راجپوتانہ پر قبضہ کر کے اس کی زمینوں کو بطور جاگیر دیا جائے۔ مگر اس وقت تک فوج میں اتنا دم نہیں رہا تھا کہ وہ راجپوتوں سے جنگ کر سکے، اس لئے یہ محض خیالی منصوبہ ہی رہا۔ فرخ سیر (۱۷۱۹-۱۷۱۳) کے زمانہ میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ کاغذات مل جاتے تھے مگر جاگیر پر قبضہ نہیں ملتا تھا (۱) اب جاگیر پر وہی قابض ہوسکتا تھا جس کے پاس فوجی طاقت ہو۔ اگر فوجی طاقت والا جاگیر پر قبضہ کر لیتا اور وہاں سے ریونیو بھی وصول کر لیتا، وہ اس کو اپنا حق سمجھتا تھا اور شاہی خزانہ کو کچھ نہیں ملتا تھا۔

اورنگ زیب کے بعد تخت کے حصول کے لئے امیدواروں میں مسلسل خانہ جنگیاں ہو رہی تھیں۔ اس لئے ہر امیدوار جاگیروں کا لالچ دے کر اپنے حامیوں کی فوج تیار کرتا تھا۔ ان میں سے جو بادشاہ ہو جاتا وہ اپنے حمایتوں کو نئی جاگیریں دیتا تھا۔ اس لئے محمد شاہ (۴۸۔۱۷۱۹ء۱۷) کے عہد میں صورت حال یہ ہوئی کہ خالصہ کی تمام زمینیں ختم ہو گئیں۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کے اختیارات اور اس کی حیثیت پر بڑا اثر پڑا کیونکہ اب وہ اپنے ذاتی اخراجات اور عملہ کی تنخواہوں کے لئے دوسروں کا محتاج ہو گیا۔ اس مالی بحران نے دربار کے انتظامات کو متاثر کیا۔ قلعہ کے عملہ کو مہینوں تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے دوسروں سے سوال کرتا تھا۔ ان حالات میں اسے کبھی مراہٹوں کا وظیفہ خوار ہونا پڑا اور کبھی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحفظ میں آیا۔ مغل بادشاہ محض کٹھ پتلی بن کر رہ گیا کیونکہ اس کی آمدن کے تمام ذرائع ختم ہو چکے تھے اور صوبوں کے عامل اور گورنر اپنی فوجی قوت کی بنا پر خود مختار ہو گئے تھے۔

اجارہ داری

جاگیردار کے نظام کو اس بحران سے نکالنے کے لئے جاگیرداروں نے اجارہ داری کے طریقہ کو اختیار کیا۔ اس میں جاگیردار پورے سال کی آمدنی وصول کر کے کسی کو یہ اجارہ پر دے دیتا تھا۔ یہ طریقہ ابتداء میں جہانگیر (۱۶۲۷۔۱۶۰۵) کے عہد سے شروع ہوا تھا اور شاہ جہاں (۱۶۵۷۔۱۶۲۸) کے زمانہ تک مقبول رہا۔ مگر اس کا رواج خالصہ کی زمینوں پر نہیں تھا۔ اس نظام سے جاگیردار کو تو فائدہ ہو جاتا تھا کہ اسے رقم کی مشت مل جایا کرتی تھی، مگر اس نے کسانوں کی حالت کو متاثر کیا جس نے کاشت کاری کو خرابی کے راستہ پر ڈالا۔ اورنگ زیب نے اس کے خلاف اقدامات کئے مگر اس کے باوجود یہ طریقہ جاری رہا۔(۲) خصوصیت سے آخری عہد مغلیہ میں جاگیرداروں نے، سیاسی صورت حال کے تحت اس طریقہ کو اپنا لیا کیونکہ اس میں ان کو نہ تو محنت کرنا پڑتی تھی اور نہ ہی ان کا مالی نقصان تھا۔ اس لئے بہادر شاہ کے زمانہ سے لے کر فرح سیر تک یہ اجارہ داری کا نظام مستحکم ہو گیا۔

اس نظام کی وجہ سے منافع خوروں اور استحصالیوں کا ایک نیا طبقہ وجود میں آیا۔

یہ اجارہ داریاں تو مالدار زمیندار تھے یا مہاجن و ساہوکار۔ جن لوگوں نے اجارہ داریاں خریدیں انہوں نے اس نظام سے بہت منافع حاصل کیا۔ وہ بڑے بڑے زمیندار جو اس نظام کی وجہ سے دولت مند اور طاقت ور بن کر ابھرے ان میں اودھ کے تعلقدار خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔(۳)

اس نظام کی وجہ سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہوئی۔ وہ یہ کہ اگر اجارہ دار ساہوکار یا مہاجن ہے تو اس صورت میں وہ زمینداروں سے یہ مطالبہ کرتا تھا کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ ریونیو وصول کر کے دیں۔ اس کی وجہ سے ان دونوں میں کشمکش اور تصادم پیدا ہو گیا۔ نعمان صدیقی نے اٹھارویں صدی میں اس صورت حال کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''اس سے بلا استثناء زمیندار، کاشت کار، اور زمین سب کی تباہی ہو رہی تھی۔ زمیندار کو مسلسل اجارہ دار کے خطرے کا مقابلہ تھا جو ایک طرف تو مالگذاری کی وصولیابی پر حق پر جما رہا تھا۔ دوسری طرف اس کی موجودگی سے زمیندار کو مجبوراً اور کراھیتاً اضافہ شدہ مال گذاری کے لئے آمادہ ہونا پڑتا تھا۔ جس کا نتیجہ مواضعات کی تباہی کی صورت میں سامنے نظر آتا تھا۔''(۴)

اجارہ داری کے اس نظام کی وجہ سے چھوٹے زمیندار اجارہ داروں کے تقاضے پورے نہیں کر سکے اور وہ مفلس و قلاش ہو گئے۔ کسانوں نے تباہی کے پیش نظر گاؤں چھوڑ دیئے۔ یوں اس عہد میں زرعی بحران آیا کہ جس پر قابو پانے کے لئے نہ تو وسائل تھے اور نہ ہی دلچسپی۔ اس صورت حال میں اس وقت مزید تبدیلی آئی جب اجارہ داروں نے اپنے حقوق کو موروثی بنا لیا اور جب سیاسی انتشار ہوا تو اس میں وہ خود جاگیروں پر قابض ہو گئے اور یوں قدیمی جاگیردار یا اہل منصب اپنی جاگیروں سے محروم ہو کر معاشرے میں غائب ہو گئے۔

نظام جاگیرداری کا بحران

اس سیاسی ابتری کے زمانہ میں وہ جاگیردار باقی رہے جن کی اپنی فوج تھی اور جو جاگیر سے ریونیو وصول کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ان میں سے وہ جاگیردار زیادہ اچھی

پوزیشن میں رہے جن کی جاگیریں ان کے اپنے علاقوں میں تھیں۔ یہاں اپنے مقامی اثر و رسوخ کی بنا پر انہوں نے زمینوں پر قبضہ جمائے رکھا اور باغی زمینداروں کو اپنے قابو میں رکھا۔

مرکزی حکومت کی کمزوری کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے عہدے دار قانون گو، فوجدار، چودھری، اور واقعہ نویس کا اثر ختم ہو گیا، اس کی وجہ سے ان کا رابطہ مرکزی حکومت سے ٹوٹ گیا۔ جاگیردار پر اب کسی قسم کی نگہبانی اور نگہداشت نہیں رہی تھی، اس لئے اب اس کا کردار اور زیادہ استحصالی ہو گیا۔ اب جاگیردار کے اپنے ذاتی مفادات تھے جن کو وہ پورا کرنا چاہتا تھا۔ مرکز کی طرف سے اسے نہ تو کسی مدد کی امید تھی اور نہ ضرورت، بادشاہ کی اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اسے جاگیرے ہٹا سکتا یا اس کی جاگیر ضبط کرتا۔ اگر بالفرض محال اسی جاگیر کسی اور کو دی بھی جاتی تھی تو دوسرے کے لئے اس پر قبضہ کرنا مشکل تھا۔ یہ قبضہ صرف جنگ کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب جاگیردار کا بقا کا انحصار اس کی طاقت پر ہو گیا تو اس نے جاگیر کو موروثی بنا لیا۔(۵)

اس صوت حال سے مدد معاش جاگیرداروں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اول تو انہوں نے زمینداری کے حقوق لئے، پھر اجارہ داری شروع کر دی اور یوں کئی زمینوں کو اپنی جاگیر میں شامل کیا۔ اس سے دولت کمائی تو انہوں نے سودی کاروبار بھی شروع کر دیا جس کی وجہ سے دیہات میں استحصالیوں کا ایک طبقہ پیدا ہوا۔ (۶)

اس صورت حال کی وجہ سے جاگیرداری نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔ ریونیو کی زیادتی کی وجہ سے زمینداروں نے بغاوتیں کیں، ان بغاوتوں کے خاتمے کے لئے جاگیردار کو دقتیں پیش آئیں کیونکہ زمیندار جنگلات میں بھاگ جاتے تھے کہ یہاں ان کے خلاف فوجی کاروائیوں میں دقت پیش آتی تھی۔ ان بغاوتوں کی وجہ سے ریونیو کی وصولیابی میں مشکلات پیش آتی تھیں کیونکہ وہ پابندی سے جمع نہیں کی جا سکتی تھی۔ (۷)

چنانچہ اس کا یک اور نتیجہ کسانوں کی بغاوت کی شکل میں نکلا۔ یہ بغاوتیں جاٹوں نے آگرہ میں۔ ست نامی اور سکھوں نے پنجاب میں۔ اور مرہٹوں نے دکن میں کیں۔ کسانوں کی ان بغاوتوں میں دیہاتی زمینداروں نے ان کا ساتھ دیا۔ اگرچہ یہ بغاوتیں بغیر کسی مقصد کو حاصل کئے ختم ہو گئیں، مگر انہوں نے جاگیرداری کے نظام پر کاری ضربیں

لگائیں۔

ایک دوسری تبدیلی یہ آئی کہ بڑے بڑے زمیندار خود مختار ہوتے چلے گئے۔ حکومت چھوٹے زمینداروں کو تو قابو میں کر لیتی تھی، مگر بڑے زمینداروں کو قابو میں کرنا کی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے مرکزی حکومت ان کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرتی تھی۔ مقامی عہدے دار ان کے ساتھ احترام سے پیش آتے تھے۔ اس کے باوجود انہیں ریونیو کی وصولیابی میں دقتیں پیش آتی تھیں جو آہستہ آہستہ یا تو بالکل ختم ہو گئیں یا تھوڑی بہت باقی رہیں۔

سترھوی صدی کے اختتام تک مغلوں کا نظام جاگیرداری شکستہ وخستہ ہو کر ٹوٹ چکا تھا۔ نہ تو جاگیردار اب بادشاہ کا ماتحت رہا تھا اور نہ ہی ضرورت کے وقت اس کی فوجی مدد کرتا تھا۔ ان میں سے کچھ جاگیردار کبھی کبھی بطرو ہمدردی یا ضرورت کے تحت بادشاہ کو بطور نذرانہ کچھ دے دیا کرتے تھے۔

جاگیرداری کے اس زوال کے ساتھ مغل طاقت کا بھی زوال ہوا۔ اب مغل سلطنت اس پوزیشن میں نہیں رہی تھی کہ اپنا دفاع کر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ راجپوت، افغان، جاٹ، مرہٹہ، سکھوں اور انگریزوں نے مغل سلطنت کے حصہ بخرے کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ جاگیر کے اس بحران اور مالی وسائل کی کمی نے مغل دربار کی شان وشوکت کو ختم کر دیا۔ اب سماجی وثقافتی سرگرمیوں کا مرکز اودھ، دکن اور بنگال کی ریاستیں ہو گئیں۔

حوالہ جات

۱۔ اظہر علی: Mughal Nobility Under Aurangzeb, Bombay, 1970 P.39-4

۲۔ ایضاً: ص ۸۴

۳۔ نعمان احمد صدیقی: مغلوں کا نظام مال گذاری۔ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۸

۴۔ ایضاً: ص ۲۶

۵۔ مظفر عالم: The Crisis of Empire in Mughal North India Oxford Delhi 1986. P. 126-27

۶۔ ایضاً: ص ۱۱۲-۱۱۱

۷۔ ایضاً: ص ۱۱۱-۹۶

۸۔ نعمان صدیقی: ص ۵۹

پانچواں باب

نظام جاگیرداری اور صوبائی ریاستیں

مرکزی سلطنت کے ٹوٹنے کے بعد جب صوبائی حکومتیں قائم ہوئیں تو انہوں نے مغلوں کے سیاسی ڈھانچہ اور نظام جاگیرداری کو بدل کر رکھ دیا۔ صوبوں کے گورنر اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار تھے البتہ مغل بادشاہ کو قانونی طور پر تسلیم کرتے تھے۔ مگر ان کی یہ وفاداری برائے نام تھی۔ اگرچہ وہ کبھی کبھی کچھ رقم اظہار فرماں برداری کے طور پر اسے بھیج دیا کرتے تھے، لیکن ان کے علاقوں میں زمینداروں سے وفادار تھے۔ اس لئے ریاستوں میں عاملوں اور زمینداروں کی حکومت تھی۔

صوبائی ریاستوں میں نظام جاگیرداری کی تشکیل کا تجزیہ بنگال اور اودھ کی ریاستوں کا جائزہ لے کر کیا جائے گا۔ اس جائزہ سے دوسری ریاستوں اور خود مختار علاقوں کے انتظام کو سمجھا جا سکے گا۔

بنگال

بنگال کا صوبہ اگرچہ بڑا زرخیز اور آمدنی والا تھا مگر یہاں کی آب وہوا کی وجہ سے مغل منصب دار وہاں سے جانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے وہاں کی تقرری کا مطلب سزا ہوا کرتا تھا۔ یہاں کے نظام جاگیرداری کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں پر منصب دار جاگیردار اکثر مسلمان اور غیر بنگالی ہوتے تھے جب کہ دیہاتی زمیندار مقامی تھے۔ اس وجہ سے دونوں کے درمیان فرق رہتا تھا۔ زمیندار جاگیرداروں کے حقوق اور برتاؤ سے مطمئن نہیں تھے۔ ادھر جاگیرداروں کا رویہ زمینداروں سے دوستانہ نہیں تھا۔ مغلوں کی دستاویزات

میں ان زمینداروں کو کسانوں پر ظلم کرنے والا اور نا قابل اعتبار کہا گیا ہے۔ مگر ان اجنبی اورغیر بنگالی جاگیر داروں کے لئے ریونیو کی وصولیابی کے لئے ان پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔(۱) جس وقت مغل سلطنت کمزور ہونا شروع ہوئی تو اس قوت مرکزی حکومت نے نظام جاگیرداری کو بچانے کی خاطر اور ریونیو کی موصولی میں بہتری کی خاطر بڑے زمینداروں کو منصب داری میں شامل کر لیا تھا۔ (۲)

جاگیرداری میں اس نئی حیثیت کی وجہ سے بنگال کا زمیندار دولت اور طاقت دونوں کے اعتبار سے انتہائی اہم ہو گیا تھا۔ وہ اپنے علاقے میں شاندار حویلی میں رہتا تھا۔ دربار لگاتا تھا اور اپنے ماتحتوں پر رعب قائم رکھتا تھا۔ چونکہ وہ دیہات میں کسانوں کے درمیان رہتا تھا اس لئے زمین اور اس کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ریونیو پابندی سے وصول کرتا تھا اور اس کا تمام ریکارڈ رکھتا تھا۔ جو کسان وقت پر ریونیو جمع نہیں کراتے تھے یہ ان پر جرمانہ عائد کرتا تھا، یا ان کو سزائیں دیتا تھا۔قصور وار کسانوں کو جسمانی طور پر اذیتیں دی جاتی تھیں۔ (۳)

یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنائے۔ اس کے وسیع اختیارات کا اندازہ اس لگایا جا سکتا ہے کہ وہ برہمنوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور مذہبی امور سر انجام دینے کے لئے انہیں زمین دیا کرتا تھا۔ اکثر موقعوں پر تحفہ تحائف دینے کا سلسلہ بھی تھا برہمنوں کو جو زمین دی جاتی تھی وہ لگان سے آزاد ہوتی تھی۔ اس کے علاقہ میں اگر شادی کی بات چیت ہوتی تھی تو اس سے اجازت لینی پڑتی تھی۔

اگر کسی کو ذات برادری سے خارج کر دیا جاتا تو اس کی دوبارہ سے شمولیت کے لئے اس کی مرضی کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ بھی اس کا کام تھا کہ وہ مندر تعمیر کرائے اور وہاں پوجا پاٹ کا انتظام کرے، سڑکیں۔ کنویں، حوض بنایا، سیلاب کی روک تھام کے اقدامات کرنا۔جنگلوں کی صفائی اور اس کی زمین کو کاشت میں لانا، رعایا کی سرپرستی اور ان کی حفاظت کرنا یہ سب زمیندار کی ذمہ داریاں تھیں۔ (۴)

چونکہ زمیندار اس قدر با اختیار اور طاقت ور تھا اس لئے کسانوں کی وفاداری جاگیردار کے بجائے اس سے ہوتی تھی۔ وہ ان کے درمیان اور ان کی پہنچ میں تھا۔ اس لئے جیسے جیسے مرکزی حکومت کمزور ہوتی گئی اس طرح سے مقامی وفاداری بڑھتی گئی

اورزمیندار کی طاقت میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان اختیارات کا استعمال جہاں زمیندار نے کسانوں کے مفاد میں کیا وہاں ان کے ذریعہ اس نے ان کا استحصال کر کے انہیں پس ماندہ بھی رکھا۔

مرکزی حکومت کی کمزوری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۷۱۳ء کے بعد سے مغل بادشاہ نے بنگال میں منصب داروں کو بھیجنا بند کر دیا تھا۔ (۵)

مرشد قلی خاں (وفات ۱۷۲۷ء) جو اورنگ زیب کے زمانہ میں بنگال کا ناظم مقرر ہوا تھا اور انتشار کے زمانہ میں اس نے خود مختاری اختیار کر لی تھی۔ اس نے بنگال میں جاگیرداری نظام کی تشکیل نو کی۔ اس کو یہ تجربہ ہو گیا تھا کہ مقامی زمیندار ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتا ہے اور ریونیو کی وصولی میں کوئی زیادہ مددگار ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ حل نکالا کہ چھوٹے زمینداروں کو ختم کر کے بڑے زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کیا جائے کیونکہ اس صورت میں اسے صرف انہیں کو قابو میں رکھنا ہو گا۔ اس لئے اس نے بڑے زمینداروں کی ہمت افزائی کی کہ وہ اپنے ہمسایہ کے چھوٹے زمینداروں کی زمینوں پر قبضہ کر لیں۔ اس سے اس کا حمایتی طبقہ پیدا ہوا کہ جو مقامی بھی تھے اور ہندو بھی۔ مگر اس کے وفادار، چنانچہ اٹھارویں صدی میں بنگال میں پندرہ بڑے جاگیردار تھے جو ۶۰ فیصد ریونیو وصول کرتے تھے۔ یہ راجہ کا خطاب رکھتے تھے۔ بردوان، دیناج پور، راجشاہی، اور ٹاڈیا۔ (۶)

بنگال کے ان بڑے زمینداروں کی دلچسپی زمین کی کاشت اور اعلیٰ معیار زندگی کو برقرار رکھنے میں تھی۔ ان کے فوجی عزائم نہیں تھے جیسے کہ جاٹوں، مراہٹوں، اور دکن کے زمینداروں کے تھے۔ اس لئے بنگال کے ناظم اور زمینداروں میں دوری رہی۔ کیونکہ جب بھی باہر سے حملہ آوروں کے خلاف ان کی مدد کی ضرورت ہوتی یہ کم ہی ایسے موقعوں پر امداد دیتے تھے۔ اس لئے ۱۷۴۲ء سے ۱۷۵۱ء تک بنگال پر مرہٹوں کے حملوں میں ناظم بنگال نے تنہا ہی ان کا مقابلہ کیا۔ اس وجہ سے مغلوں کا نقطۂ نظر ان کے خلاف تھا۔ سیر المتاخرین کے مصنف نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ انتہائی بے وفا، تنگ نظر، دھوکہ دینے اور وقت پر ساتھ چھوڑنے والے ہوتے ہیں۔ یہ جب بھی اپنے آقا کو مصیبت میں

دیکھتے ہیں اس سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں، اور اس کے تمام احسانات بھول جاتے ہیں۔ ان کے اس مزاج اور رویہ کے سبب اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے ساتھ ہمیشہ سختی کا سلوک کیا جائے۔(۷)

بڑے زمینداروں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے مرشد قلی خاں نے یہ رسم شروع کی تھی کہ سال میں ایک مرتبہ تمام زمینداروں کو دربار میں بلاتا تھا تاکہ ان سے سالانہ حساب کتاب لیا جائے۔ یہ پوریہ کہلاتا تھا۔ یہاں وہ وفادار زمینداروں کو خلعت دیتا اور انہیں دعوت میں شریک کرتا تھا۔ اس کے بدلہ میں وہ ان سے نذرانہ وصول کرتا تھا۔ بعض اوقات نذر کی رقم کر دی جاتی تھی۔ یہ رسم بعد کے ناظمین نے بھی جاری رکھی اور نذر کو آمدن کا ایک ذریعہ بنا لیا۔ مثلاً علی وردی خاں نے ناڈیا کے زمیندار راجہ سے بارہ لاکھ کی رقم مانگی جب اس نے انکار کیا تو اسے قید کر دیا۔

مرشد قلی خاں ان زمینداروں پر انتہائی سختی کرتا تھا جو کہ ریونیو کی پوری ادائیگی نہ کر پاتے تھے، ان سزاؤں میں انہیں قید کرنا، کھانا پانی بند کر دینا، درخت سے باندھ کر الٹا لٹکانا، سردی میں برہنہ کر کے ان پر پانی چھڑکنا اور گندگی سے بھرے گڑھوں میں پھینک دینا شامل تھا۔ ان سزاؤں کے علاوہ دوسری سزاؤں میں ان کی مراعات کو چھین لینا ہوتا تھا جیسے پالکی کی سواری بند کر دینا۔ اور زبردستی مسلمان بنانا۔ باغی زمینداروں کے خلاف فوجی کاروائی بھی کی جاتی تھی۔(۸)

بنگال کا ناظم اس طرح انعامات وعطیات اور سزائیں دے کر زمینداروں کو اپنا وفادار رکھتا تھا۔ مگر ان کے تعلقات کی بنیاد کسی گہری وفاداری پر نہیں تھی۔ بلکہ مفادات کے تحت ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ زمیندار موقع کا منتظر رہتا تھا کہ اسے جب بھی موقع ملے وہ بغاوت کر دے۔ بڑی زمینداریوں کی وجہ سے ان کی طاقت بھی بڑھ گئی تھی اور وہ ناظم سے ٹکر لے سکتے تھے۔

اودھ

جب برہان الملک (۱۷۳۹-۱۷۲۲ء) اودھ کا صوبیدار بنا تو اس وقت یہاں پر

ان امراء کی جاگیریں تھیں جو یا تو دربار میں رہتے تھے یا دوسرے صوبوں میں۔ ریونیو کی وصولیابی ان کے کارکن کیا کرتے تھے۔ چونکہ ان عاملوں اور کارکنوں پر جاگیرداروں کا کوئی کنٹرول نہیں تھا اس لئے وصولیابی کی رقم پر خود ہی غصب کر لیتے تھے۔ جب برہان الملک نے صوبیداری سنبھالی تو اکثر جاگیرداروں نے اس کے ذریعہ اپنے عاملوں سے رقم وصول کی۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس نے سب سے پہلے تو یہ قدم اٹھایا کہ جاگیر کے عاملوں کو اپنے تسلط میں لیا۔ اس کے بعد اس نے یہ اقدامات کیے کہ کہ کوئی بڑا جاگیردار اودھ میں نہ رہے کیونکہ وہ اس کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنی زندگی میں تو اس کام کو پورا نہیں کر سکا مگر اس کے جانشین صفدر جنگ (۱۸۵۴-۱۷۳۹ء) نے اپنے زمانہ میں غیر حاضر اور بڑے جاگیرداروں کا اودھ سے خاتمہ کر دیا۔ (۹)

اس طرح بڑی جاگیریں نواب اور اس کے خاندان میں آ گئیں۔ اب نواب نے جو جاگیریں دیں ان میں ایک قسم تو وہ تھی جو خاص مصاحبین اور قریبی لوگوں کو دی گئیں، یا مذہبی رتبہ کی وجہ سے جاگیریں دیں ان میں ایک قسم تو وہ تھی جو خاص مصاحبین اور قریبی لوگوں کو دی گئیں، یا مذہبی رتبہ کی وجہ سے جاگیریں دی گئیں۔ ان جاگیروں پر نواب کا حق تھا اور وہ کسی وقت بھی ان پر قبضہ کر سکتا تھا۔ جیسا کہ بہت سے معاملات میں ہوا۔ (۱۰)

جاگیرداروں کو اوپر سے ختم کرنے کے بعد اودھ کے صوبیداروں نے اس پالیسی کو اختیار کیا کہ زمیندار کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے جائیں۔ اسی پالیسی کے تحت بڑے زمینداروں کو مراعات دے کر انہیں حمایتی بنایا گیا۔ اس مقصد کے لئے انہیں انتظامی اختیارات بھی دیئے گئے اور ان سے فوجی امداد بھی طلب کی گئی۔ مگر ساتھ ہی میں اس بات کا بھی خیال رکھا کہ انہیں طاقت ور نہیں ہونے دیا جائے۔

آگے چل کر نوابی دور میں اودھ کے دربار اور زمینداروں کے درمیان دوری کو برقرار رکھا گیا۔ اگرچہ وہ اپنے علاقوں میں طاقت ور تھے مگر ان کا تعلق دربار کی ثقافتی زندگی سے کوئی نہیں رہا تھا۔ دونوں میں ثقافتی طور پر گہری خلیج حائل تھی، اس وجہ سے وہ دربار میں کم آتے تھے۔ ایک تو انہیں ڈر رہتا تھا کہ ان سے واجبات کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس کے عوض انہیں یرغمال بنا لیا جائے گا۔ دوسرے وہ نواب، مصاحبین اور شہریوں کے ادب

آداب سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے خود کو شہر میں اجنبی سمجھتے تھے۔ اگر کوئی زمیندار شہر میں آتا بھی تھا تو پہلے وہ کسی با اثر امیر اور مصاحب کی ضمانت لے لیتا تھا۔ دربار کے عہدے دار اور انتظامیہ نہیں چاہتی تھی کہ نواب اور زمیندار کی ملاقات ہو، کیونکہ وہ اسے دور رکھ کر اسے اپنے اثر میں رکھنا چاہتے تھے۔ ایک انگریز ریذیڈنٹ نے اس صورتحال کے بارے میں لکھا کہ یہاں یہ روایت ہے کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کو بادشاہ سے ملاقات نہیں کرنے دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انہیں دربار کی حدود تک میں نہیں آنے دیا جاتا ہے، اکثر انہیں دھمکی دی جاتی ہے وہ لکھنؤ سے نہیں گئے تو انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ زمینداروں کا ایک گروہ جو بادشاہ کی سواری کے وقت اس سے ملنے کے لئے جمع تھا تاکہ عامل کے خلاف اپنی شکایات پیش کر سکے۔ اس کو بادشاہ کے مصاحبین نے نہ صرف بھگا دیا بلکہ ان میں سے کچھ کو پکڑ کر انہیں کوڑے مارے گئے۔ ساتھ ہی میں ایک فرمان جاری کیا گیا کہ جس میں حفاظتی دستوں کو تاکید کی گئی کہ وہ دیہات سے آنے والے مدعیوں کو شہر میں نہ آنے دیں۔ (۱۱)

ان چھوٹے زمینداروں کے مقابلہ میں اودھ کے تعلقداروں کا طبقہ انتہائی طاقت ور تھا۔ ان تعلق داروں کے خاندانوں نے اودھ میں ۱۲۰۰ء سے ۱۳۰۰ء کے درمیان فتوحات کر کے زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ ان میں سب سے پہلے وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی تھی اور یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے، یہاں انہوں نے مقامی قبائل کو لڑ جھگڑ کر بھگا دیا اور ان کی زمینوں پر قبضہ کر کے علاوہ یہاں کی بنجر زمینوں کو بھی کاشت کے قابل بنایا۔ یہ زمینیں ابتداء میں برادری کی ملکیت ہوتی تھیں۔ بعد میں ان پر خاندانوں کا قبضہ ہو گیا۔ چونکہ خاندان کے سربراہ کی مسند نشینی ہوتی تھی اس لئے انہیں ایک ہی فرد کے پاس رہتی تھی اور تقسیم نہیں ہوتی تھی۔ جو راجپوت مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے بھی ان ہی روایات پر اپنے قدیمی حقوق کو برقرار رکھا۔ اپنے ان قدیمی حقوق کی وجہ سے تعلقدار خود کو ان زمینوں کا جائز وارث مانتے تھے اور سرکار سے بھی ان حقوق کی تصدیق چاہتے تھے۔ (۱۳)

اودھ کے یہ تعلقدار ریاست کی طاقت کو کم ہی خاطر میں لاتے تھے۔ اودھ کے دربار کے احکامات کی تعمیل جب ان کی مرضی ہوتی تو کرتے تھے ورنہ نہیں، چونکہ ان کی اپنی

فوج ہوتی تھی۔ حفاظت کے لئے قلعے وگڑھیاں ہوتی تھیں اس لئے یہ اپنا دفاع خوب کرتے تھے اور کسی بھی صورت میں زمین پر اپنا حق نہیں چھوڑتے تھے۔ مثلاً پرتاب گڑھ کے ایک راجہ کو حکومت نے چار بار نکالا مگر ہر بار وہ دوبارہ اپنے علاقے پر قابض ہو گیا۔(۱۳)

نواب سعادت علی خاں (۱۸۱۴-۱۷۹۸ء) کے بعد انہوں نے اپنے ہمسایوں کے گاؤں پر قبضہ کر کے اپنا علاقہ بڑھالیا تھا۔ جب انگریزوں نے اودھ پر قبضہ کیا تو اس وقت تین سو تعلقدار تھے جن کے پاس اودھ کے دو تہائی گاؤں تھے۔ یہ ریاست کو محض طاقت کے زور پر ریونیو دیتے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں برطانوں کے قبضے کے وقت تعلقداروں کے ۶۲۳ قلعے تھے جن کے اردگرد گھنے جنگ تھے جس کی جہ سے ان کا محاصرہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور نہ ہی ان کی رسد کو روکا جا سکتا تھا۔ اگر ان کے قلعوں یا گڑھیوں پر قبضہ ہو جاتا تو یہ بھاگ کر جنگلوں میں روپوش ہو جاتے تھے کہ جہاں ان کا تعاقب کرنا مشکل ہوتا تھا۔(۱۴)

نوابی عہد میں برطانوی منتظمین کا رویہ ان تعلقداروں کی جانب جارحانہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کسانوں کے حقوق غصب کرنے والے اور ان کی محنت کی کمائی کو مفت میں اڑانے والے ہیں۔ اس لئے ان کا خیال تھا کہ انہیں ختم کر کے یا تو دیہاتی زمینداروں یا کسانوں سے براہ راست ریونیو وصول کیا جائے۔ اس مقصد کے تحت انہوں نے ۱۸۵۶ء میں کچھ قوانین بھی وضع کیے تھے جن کی وجہ سے تعلقداروں کا ایک طبقہ اپنی زمینوں سے محروم ہو گیا تھا۔ ابھی وہ اپنی اس پالیسی کو عملی شکل نہیں دینے پائے تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہو گیا۔

آخری عہد مغلیہ کا جائزہ

آخری عہد مغلیہ میں صورتحال خراب ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ان کا منصب داری نظام ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اب مہم جو سرداروں، راجاؤں اور نوابوں نے لے لی تھی۔ ان فوجی مہم جوؤں نے اپنی فوجی طاقت کے بل بوتے پر جگہ جگہ اپنی خود مختار جاگیریں بنا لیں تھی اور اپنی جاگیروں کی توسیع کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے

جھگڑتے رہتے تھے۔ مغل بادشاہ کے پاس برائے نام طاقت تھی۔ اس لئے جب کوئی کسی علاقہ پر قبضہ کرتا اور بادشاہ کو نذر پیش کر کے اس پر قبضہ کی منظوری مانگتا تو بادشاہ یہ منظوری بغیر کسی حیل و حجت کے اسے دے دیتا تھا، جس کے بعد سے اس کی حیثیت قانونی ہو جاتی تھی۔

ایک اور تبدیلی جو اس دور میں آئی وہ یہ تھی کہ اب جاگیردار اپنی جاگیروں پر رہنے لگے۔ کیونکہ دربار کی حیثیت ختم ہوگئی تھی اور اب اسے وہاں اپنے اثر و رسوخ کے لئے رہنے یک کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی موجودگی جاگیر میں اس وجہ سے ضروری تھی کہ اس کے بغیر نہ تو وہ ریونیو وصول کر سکتا تھا اور نہ ہی جاگیر کی حفاظت۔ اس کی وجہ سے اس کا تعلق نہ صرف علاقہ کے زمینداروں اور کسانوں سے ہوا، بلکہ اس نے علاقہ کی ترقی میں بھی حصہ لیا۔ چنانچہ ان جاگیرداروں نے اپنے شہر آباد کیے جیسے نجیب خان نے نجیب آباد، مرزا نجف خان نے نجف گڑھ اور بیگم سمرو نے سمر دہانہ وغیرہ۔ (۱۵)

جاگیرداروں کے سا طرح سے پھیلنے اور قصبوں میں رہائش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں ثقافتی سرگرمیاں دربار سے نکل کر چھوٹے چھوٹے شہروں میں پھیل گئیں جس نے ایک نئے قصباتی کلچر کو پیدا کیا۔ اس کے فروغ کی وجہ سے لوگوں میں علاقائی شناخت کا جذبہ ابھرا، جو ان کے لئے باعث فخر بن گیا۔

ریاست کو ٹوٹنے اور اداروں کے زوال پذیر ہونے کا سب سے برا اثر کسانوں اور کاشتکاروں پر پڑا جو اب مکمل طور پر جاگیرداروں اور زمینداروں کے تسلط میں آ گئے۔ اس سے پہلے مرکزی حکومت کے نمائندے جاگیروں میں ہوتے تھے جو اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کسانوں پر ظلم نہ ہو اور ان سے ضرورت کے زیادہ ریونیو وصول نہیں کیا جائے۔ اب یہ عہدے دار ان کی راہ سے ہٹ گئے اور جاگیردار اپنے علاقہ میں خودمختار ہو گیا۔ انہیں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں کہ:۔

> رعایا کے حقوق کی حفاظت کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا، اور تمام کاشتکار زمینداروں کے عاملوں اور چکلہ داروں کے غلام تھے، اور جو کچھ ظلم اور زیادتی زمیندار اور عامل اور چکلہ دار ان پر کرتے تھے اس کا کوئی فریادرس نہیں تھا، اور کاشت کاروں کی جان و مال اور ان کے حقوق،

ظالم زمینداروں، اور عاملوں اور چکلہ داروں کے ہاتھ میں تھے اور وہ جس کاشتکار کی چاہتے تھے حق تلفی کر دیتے تھے، اور اس کو موروثی کاشت کو جس پر وہ قبضہ رکھنے کا مستحق تھا چھین لیتے تھے اور اس کے کھیت کی تمام پیداوار کو لوٹ لیتے تھے۔ (۱۶)

اس دور کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں مہاجن اور بنیوں کا طبقہ جو سودی کاروبار کرتا تھا اس کا کردار اور زیادہ ابھر گیا۔ کیونکہ اس لوٹ کھسوٹ میں کسانوں کی مالی حالت بدتر ہوگئی اور اخراجات کے لئے انہیں جب روپیہ یک ضرورت پڑی تو وہ یہ قرض مہاجن ارو بنئے سے لے لیتے تھے۔ یہ کاشتکاروں اور زمینداروں دونوں کو سود پر روپیہ فراہم کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا کام یہ بھی تھا کہ یہ گاؤں کی پیداوار خرید کے اسے منافع کے ساتھ فروخت بھی کرتے تھے۔ مہاجنوں اور بنیوں کا یہ طبقہ زمینداروں کو اپنی حمایت میں لے کر کاشتکاروں سے سود وصول کرتے تھے۔ سودی رقم وصول کرنے کے لئے کئی طریقے تھے۔ ڈانٹ ڈپٹا، دھونس اور طاقت کا استعمال۔ اس میں سے ایک طریقہ دھرنا تھا یہ مقروض کے دروازے پر اپنے آدمی بٹھا دیتے تھے اور کس کو نہ گھر کے اندر جانے دیتے تھے اور نہ باہر۔ اس صورتحال سے تنگ آ کر مقروض جس طرح سے بھی ہوتا اس کا سودا اور قرضہ چکاتا تھا۔ (۱۷)

''مہاجن اور بقالی دیہات میں ایسے مسلط تھے کہ غریب کاشتکاروں کی محنت او ان کے کھیت کی پیداوار درحقیقت مہاجنوں اور بقالوں کے گھر جاتی تھی۔ کاشتکار نہایت محنت سے زمین جوتتے تھے اور خوش ہوتے تھے مگر سب غلہ زمیندار اور مہاجن اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں زمینداروں کا تو وہ زور نہیں رہا مگر مہاجن اور بقالوں کا ویسا ہی قابو ہے۔ پیداوار اور محنت کاشتکاروں کی مہاجنوں کے گھر جاتی ہے اور کاشتکار کھانے کے غلہ کے لئے بھی مہاجنوں اور بقالوں کے محتاج رہتے ہیں۔ (۱۸)''

سیاسی زوال نے دیہات میں امن و امان کے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ زمینداروں نے لوٹ مار کی غرض سے چوروں اور ڈاکوؤں کی سر پرستی کرنی شروع کر دی

تھی۔ اکثر یہ خود بھی ان ڈاکو میں ملوث ہوتے تھے ورنہ ان کے علاقہ کے ڈاکو انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا کرتے تھے۔ اس لئے اس زمانہ میں شاہراہیں محفوظ نہ تھیں اور قافلے بغیر فوجی دستوں کی حفاظت کے ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتے تھے۔ اس کی وجہ سے تجارت پر اثر پڑا تھا۔ (۱۹)

اس جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظام جاگیرداروں جو مغلوں کے ابتدائی عہد میں تشکیل دیا گیا تھا وہ وقت کے ساتھ بدلتا رہا اور ان کے آخری دور میں جاگیردار خود مختار اور موروثی ہو گیا تھا۔ یہ صورت حال سیاسی انتشار کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے جب برطانوی اقتدار یہاں قائم ہوا تو انہیں اس نظام کو تبدیل کرنے یک ضرورت پیش آئی کیونکہ یہ اس صورت میں اپنی افادیت کھو چکا تھا۔

حوالہ جات

۱۔ Mcleane J.R. Land and Local King ship in Enghteenth century Bengal. Cambridge, 1993. P.11

۲۔ ایضاً: ص۔ ۱۱

۳۔ ایضاً: ص۔۱۴،۱۳

۴۔ ایضاً: ص۔ ۱۵

۵۔ ایضاً: ص۔ ۳۶

۶۔ ایضاً: ص۔ ۳۸،۳۶

۷۔ ایضاً: ص۔ ۴۲۔۴۱، ۲۷

۸۔ ایضاً: ص۔ ۱۱۱،۷۲،۵۱،۴۹،۳۵

۹۔ مظفر عالم: The Crisis of Empire in Mughal North India. Oxford, Delhi 1986. P.210

۱۰۔ M.A.Fisher: The Clash of Culture. Delhi, 1987. P.223-4

۱۱۔ ایضاً: ص۔ ۴۸

۱۲۔ ایضاً: ص۔ ۴۵

۱۳۔ T.R Metcalf: Land, Landlords and the Birtish Raj. Uni of California, 1978. P.31-32

۱۴۔ P.Spean: A History of Delhi Under the Later Mughals. Delhi (Reprinted) 1990. P. 126

۱۵۔ سر سید: مقالات سر سید حصہ شانز دہم۔ لاہور ۱۹۶۵ء صفحہ ۵۴۷

۱۶۔ ایضاً: ص۔ ۵۵۰

۱۷۔ ایضاً: ص۔ ۵۵۱

۱۸۔ ایضاً: ص۔ ۵۳۷

چھٹا باب

جاگیردار اور برطانوی راج

انگریزوں نے اقتدار میں آنے کے بعد ہندوستان کے زراعتی نظام میں تبدیلیاں کیں اور ہندوستان کے اس روایتی نظام کو ختم کیا جس کے تحت گاؤں کی برادری کا زمین پر حق ہوتا تھا۔ انہوں نے زمین کی ملکیت کو دو طرح سے تقسیم کیا ایک تو جاگیرداروں کا طبقہ جنہیں موروثی طور پر زمین الاٹ کی گئیں۔ دوسرے وہ کسان جو جن زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے۔ یہ زمینیں انہیں کو دے دیں۔

جاگیرداروں کا ایک مستقل طبقہ لارڈ کارنوالس کے کے بندوبست دوامی کی وجہ سے پیدا ہوا جو اس نے بنگال، بہار اور اُڑیسہ میں ۱۷۹۲ء میں نافذ کیا تھا۔ اس کے ذہن میں انگلستان کا فیوڈل ازم تھا کہ جس میں فیوڈل لارڈز کا طبقہ حکومت کا اہم ستون ہوا کرتا تھا۔ اس لئے وہ ایک ایسا ہی طبقہ ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتا تھا کہ جو ہندوستان میں برطانوی حکومت کی اساس ہو۔

جاگیرداروں کا یہ طبقہ ان اجارہ داروں کی وجہ سے پیدا ہوا کہ جنہیں بنگال کے نوابین نے ریونیو کی وصولیابی کا ٹھیکہ دیا تھا۔ ان کو دوامی نظام کے تحت مستقل جاگیردار بننے کا موقع مل گیا۔

اس نظام میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مفادات کو تحفظ ملتا تھا۔ کیونکہ انتظامی طور پر کمپنی کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ جاگیرداروں کے ایک طبقہ سے ریونیو وصول کرے اور کسانوں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اس کے علاوہ چند ہزار جاگیرداروں پر آسانی تسلط کو بھی قائم رکھا جاتا تھا۔

نئی برطانوی حکومت کو اپنی حمایت کے لئے ایک ایسے اثر ورسوخ والے طبقہ کی ضرورت تھی جو ان کے اور عوام کے درمیان وسیلہ و رابطہ کا کام دے۔ اس لئے خیال کیا گیا کہ ایک ایسا طبقہ جو اپنی جائیداد اور مراعات کے لئے ان کا مرہون منت ہو وہ ان کی حکومت کے استحکام میں ان کا ساتھی بن سکے گا۔ اس ک وضاحت گورنر جنرل ولیم بینٹنگ (۱۸۳۵-۱۸۲۸ء) نے اس طرح کی تھی:۔

> اگر مقبول عام بغاوتوں اور ہنگاموں کو روکنے کے لئے کسی تحفظ کی ضرورت ہے تو میں کہوں گا کہ دوامی بندوبست کا نظام جو کئی لحاظ سے نا کام ہو گیا ہے، مگر پھر بھی سلطنت کے مفاد کے لحاظ سے اہم ہے۔ کیونکہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ برطانوی حکومت کا یہاں مستقل قیام رہے۔ اس کے علاوہ ان کا اثر ورسوخ اپنے لوگوں پر بھی ہے۔ (۱)

مزید برآں برطانوی حکومت نے چھوٹے چھوٹے راجاؤں، نوابوں اور سرداروں کو بھی جاگیرداروں میں تبدیل کر دیا اور یہ خود پہلے خراج دیتے تھے اب اسے ریونیو کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی خود لے لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے چھوٹے راجواڑے بڑے جاگیرداروں کے تسلط میں آ گئے جنہوں نے کسانوں کی محنت کو اپنی عیاشیوں میں خرچ کرنا شروع کر دیا۔

برطانوی حکومت نے اپنے ایسے افراد کو بھی جاگیریں دیں کہ جنہوں نے ان کی حکومت کے قیام اور استحکام میں ان کی مدد کی تھی۔ چنانچہ غدر میں جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا انہیں انہیں زمینوں میں سے حصہ دیا گیا کہ جو مخالفوں کی زمینوں پر قبضہ کے بعد حکومت کے پاس تھیں۔ (۲) اپنے عہد میں برطانوی حکومت ان ہندوستانیوں کو جاگیروں سے نوازتی رہی جنہوں نے ہندوستان کی جنگوں میں افغانسان و برما کی لڑائیوں میں ان کی خدمات سرانجام دیں تھیں۔ زمینیں دینے کی یہ پالیسی ان عہدے داروں کے ساتھ بھی تھی جو ان کی انتظامیہ میں تھے۔ اس طرح سے انہوں نے نئے جاگیردار طبقے کی صرف تشکیل ہی نہیں کی بلکہ اس مستحکم اور مضبوط بھی بنایا۔

اپنے ابتدائی دور حکومت میں برطانوی حکمرانوں کے لئے ایک اہم سوال یہ تھا

کہ کس طبقہ کو اہمیت دی جائے اور کس طرح سے اس سے مدد حاصل کی جائے؟ ان دوطبقوں میں تاجروں اور جاگیرداروں کے درمیان فیصلہ کرنا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دنوں میں انہیں مقامی تاجروں کی طرف سے اپنا اثر ورسوخ بڑھانے میں مدد ملی تھی۔ کیونکہ کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے مقامی تاجروں کو یہ موقع ملا تھا کہ وہ ان کے گماشتوں کی حیثیت سے کام کریں۔ ان کے جہازوں میں اپنا سامان ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اور باہر کے ملکوں میں بھیجیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کمپنی کے ساتھ مل کر تجارت بھی کی جس کی وجہ سے ان کے اور کمپنی کے تجارتی مفادات ایک ہو گئے تھے۔ بنگال میں پلاسی کی جنگ کے وقت وہاں کے تاجروں نے کمپنی کا ساتھ دیا تھا کیونکہ نواب سراج الدولہ سے زیادہ کمپنی ان کے مفادات کو پورا کر رہی تھی۔ جگت سیٹھ اور سیٹھ امی چند اس کی مثالیں ہیں۔

مگر جب کمپنی نے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا تو اب انہیں تاجروں سے زیادہ جاگیرداروں اور زمینداروں کی حمایت کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اب ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تجارت نہیں بلکہ ریونیو تھا۔ جاگیرداروں اور زمینداروں کی حمایت کی اس لئے بھی ضرورت تھی کیونکہ ان کا اثر دیہاتی آبادی پر تھا اور وہ ان کے ذریعہ رعیت کو کنٹرول کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس تاجروں کو اس لحاظ سے معاشرہ میں اتنا اثر ورسوخ نہیں تھا، نہ ہی زراعتی معاشرے میں ان کا سماجی رتبہ بڑھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ تاجر ایک جگہ نہیں رہتے تھے بلکہ گھومتے رہتے تھے، اس لئے ان کو دیہاتی آبادی پر کنٹرول کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے یہ برطانوی مفاد میں تھا کہ جاگیردار طبقہ کو نہ صرف برقرار رکھا جائے بلکہ اس کی جڑوں کو مضبوط بنایا جائے۔

وہ جاگیردار طبقے کی پس ماندگی، کاہلی اور فضول خرچی سے بھی واقف تھے، اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ اس طبقہ کو فعال اور متحرک بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہیں حکومت کی ملازمتیں دی گئیں۔ ان کے لئے اسکول و کالج کھولے گئے اور انہیں حکومت میں شریک کیا گیا تاکہ وہ کسی قابل ہو سکیں اور حکومت کے لئے مفید بن سکیں۔

بنگال کا نیا جاگیرداری نظام

انگریزی انتظامیہ کا خیال تھا کہ اگر جائیداد محفوظ ہو اور وراثت میں ملتی رہے تو اس سے خاندان کا تعلق جائیداد سے ہو جاتا ہے۔ چونکہ جائیداد اس کی معاشی و سماجی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اس لئے وہ اسے بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے اگر جاگیرداروں کو موروثی کر دیا جائے گا تو یہ حکومت کو پابندی سے ریونیو دیں گے اور اپنی جائیدادوں کو بہتر بھی بنائیں گے۔ اس لئے ابتداء میں ۱۷۹۰ء میں دس سالہ ریونیو کے نظام کو شروع کیا اور پھر ۱۷۹۳ء میں دوامی بندوبست رائج کیا۔ اس نظام کے تحت جاگیردار کو ایک مقررہ رقم بطور ریونیو حکومت کو دینی ہوتی تھی۔ اگر وہ یہ رقم وقت پر ادانہیں کر پاتا تھا تو اس صورت میں اس کی اتنی زمین فروخت کر دی جاتی تھی جو واجبات کی وصولی کے لئے کافی ہو۔ اس نئے نظام یمں جاگیردار کو مشکل پیش آنے لگی۔ کیونکہ اگر سیلاب آتے، فصلیں خراب ہوتی، یا وہ کسی اور فطری آفت کا شکار ہوتے اور کسانوں سے ریونیو وصول نہیں پاتے، تو حکومت ان کی مشکلات کو نہیں دیکھتی تھی اور اپنی مقررہ شدہ رقم کی وصولیابی چاہتی تھی۔ اس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے جاگیردار تو بہت جلد ختم ہوگئے مگر بڑے جاگیرداروں کے خاتمہ کا سلسلہ آہستہ آہستہ ہوا۔

جب ان زمینوں کی فروخت شروع ہوئی تو ان کو خریدنے والے آدھے تو وہ کارندے تھے جو کہ ان زمینوں پر کام کرتے تھے اور جاگیرداروں کی لاپرواہی سے فائدہ اٹھا کر غبن کرتے تھے۔ ان ے پاس پیسہ تھا جسے سے انہوں نے زمینیں خریدیں اور یوں ان کے مالک بن گئے۔ ان کے علاوہ شہروں کا بورژوا طبقہ تھا جو تجارت کے ساتھ ساتھ زمینوں میں بھی روپیہ لگا رہے تھے۔ ٹیگور کا خاندان بھی ان ہی میں سے تھا جو اس نظام کی وجہ سے نئے جاگیردار بنے تھے۔ اس کی وجہ سے ۱۷۹۳ء کے بعد بنگال میں تیں نئے بڑے جاگیردار پیدا ہوئے۔ قدیمی جاگیرداروں میں چھ بڑے جو کہ بنگال کا آدھا ریونیو دیا کرتے تھے ان میں سے صرف بردوان کا جاگیردار ایسا تھا جو اس نظا کی سختیوں کو برداشت کر سکا اور انیسویں صدی تک باقی رہا، ورنہ دوسرے تمام خاندان ختم ہو گئے (۳)

دوامی بندوبست کی خرابیاں بہت جلد منظر عام پر آنے لگیں۔ کیونکہ ایک تو اس کی

وجہ سے بڑے جاگیرداروں کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسرے یہ نظریہ رد ہو گیا کہ موروثی جائیدادیں زیادہ عمدگی کے ساتھ ریونیو کی وصولیابی کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہوا وہ اس کے برعکس ہوا۔ جاگیرداروں کو جب جائیداد کا تحفظ ملا تو انہوں نے اس کی بہتری کی طرف توجہ دینی چھوڑ دی اور اپنی دولت عیاشی وفضول خرچی میں ضائع کرنی شروع کر دی، جس کی وجہ سے وہ دیوالیہ ہو گئے، حکومت کی رقم ادا نہیں کر سکے، اور ان کی زمینوں کی نیلامی ہو گئی۔

اس طرح اس نظام میں محنتی اور کام کرنے والے لوگ بچے۔ جن لوگوں نے جائیداد کا انتظام نہیں سنبھالا وہ ختم ہو گئے۔ زمینوں کی نیلامی اور خرید وفروخت کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے ان کا حل حکومت نے عدالتی نظام کو نافذ کر کے نکالا۔ عدالتی نظم کی وجہ سے تبدیلی یہ آئی کہ پہلے جاگیردار و زمیندار کسانوں پر تشدد کرتے تھے اب عدالتی نظام سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے عدالت کے ذریعہ سے کسانوں پر سختی شروع کر دی۔ جو کسان ریونیو کی ادائیگی میں دیر کرتے یا نہ دیتے تو انہیں یہاں سے سزائیں دلوائی جاتی تھیں۔ جب قید وسزا اور جرمانہ کا حق عدالت کو ہو گیا تو اس کی وجہ سے حکومت تشدد کا ادارہ بن گئی اور جاگیردار و زمیندار پس منظر میں چلے گئے۔

اس کی وجہ سے ہندوستان کا وہ روایتی نظام ٹوٹ گیا جس میں جاگیردار و زمیندار کسانوں کا سرپرست ہوتا تھا۔ اس کی جگہ اب قانون کی علمداری ہو گئی۔ حکومت کا مقصد محض ریونیو کی وصولیابی رہا۔ اس نے کسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی کام نہیں کیا، جس کی وجہ سے عام کسانوں کی حالت خراب ہوتی گئی۔ ان میں کچھ نے حالات سے مجبور ہو کر کاشت کاری چھوڑ دی اور ڈاکو بن گئے۔ ڈکیتوں کی روک تھام کے لئے سخت سزاؤں کو نافذ کیا گیا جن میں سزائے موت و جلا وطنی شامل تھیں۔ اس چکر نے دیہات کی فضا کو بدل کر کھ دیا۔

اس طرح اس نئے نظام میں نئے جاگیرداروں کا وہ طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنی دولت کی بنیاد پر زمینیں خریدیں تھیں۔ لہٰذا ان کی دلچسپی نہ تو زراعت و کاشت کاری میں تھی نہ ہی کسانوں کی حالت بہتر بنانے میں۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ ریونیو وصول کرنا ان کا مقصد تھا۔ یہ طبقہ برطانوی حکومت کا اس لئے حامی بن گیا کیونکہ اس کی وجہ سے اسے زمینیں خریدنے کا موقع ملا اور انہی کے تحفظ کی وجہ سے اس نے اپنی جاگیر کو مستحکم کیا۔

اودھ کا تعلقداری نظام اور راج

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں ان تعلقداروں نے بھی حصہ لیا تھا جو ۱۸۵۶ء کے بندوبست سے مطمئن نہ تھے کیونکہ اس کے تحت انہیں حقوق سے محروم کر کے ان زمینداروں اور کاشت کاروں کو حقوق ملکیت دے دیئے گئے تھے جو کاشت کرتے تھے۔ جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ختم ہوا تو ۱۵/مارچ ۱۸۵۸ء کو لارڈ کیننگ نے ایک اعلان جاری کیا کہ جس کے تحت چھ وفادار تعلقداروں کے علاوہ سب کی زمینیں ضبط کر لی گئیں۔

لارڈ کیننگ کی اس پالیسی پر ہندوستان اور برطانیہ میں کافی بحث ہوئی کہ کیا یہ اقدام صحیح ہے اور کیا اس کے اثرات برطانوی حکومت پر مثبت ہوں گے؟ بورڈ آف کنٹرول کے صدر لارڈ ایلن برو نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ پالیسی غلط ہے کیونکہ تاریخ میں یہ ہوتا رہا ہے کہ فاتحین نے اپنے مخالفوں کے دل جیتنے کے لئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جس کی وجہ سے وہ بعد میں ان کے حمایتی و وفادار ہو گئے۔

اوٹ رم، جو کہ کمپنی کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا اور اودھ کے حالات سے بخوبی واقف تھا، اس نے بھی اس پالیسی کی مخالفت کی اور کہا کہ اس کے نتیجہ میں مایوسی پھیلے گی اور مجبوری کی حالت میں تعلقدار گوریلا جنگ شروع کر دیں گے جس کے لئے کمپنی کو ایک طویل تصادم میں الجھ کر کافی جانی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ (۴)

کچھ برطانوی افسروں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے جن کسانوں اور زمینداروں کو ملکیت کے حقوق دیئے گئے تھے، انہوں نے اس رعایت کے باوجود حکومت کی مدد نہیں کی بلکہ تعلقداروں کا ساتھ دیا۔ اس سے ان کی احسان فراموشی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تعلقداروں کا اثر و سوخ بہت بڑا ہے۔ کسان و کاشت کار اس کے باوجود کہ ان تعلقداروں کے حقوق چھین لئے گئے تھے، ان کے وفادار رہے۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ اس طبقہ کی مدد کریں جو اس کے مفادات کا تحفظ کرے چاہے اس کے نتیجہ میں کاشت کاروں کے حقوق ہی کیوں نہ غصب کرنا پڑیں۔ اس سلسلہ میں یہ دلیل بھی دی گئی کہ چونکہ کاشت کاری قدیمی جاگیرداری نظام کے عادی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اس نظام کو مضبوط بنایا جائے۔

لہٰذا اس پالیسی کے تحت حکومت نے پوری توجہ سے ہر تعلقدار کے معاملات کی چھان بین کی اور پھر انہیں دوبارہ سے ان کی زمینیں واپس کیں۔ تعلقداروں کو اس پر ڈر تھا کہ یہ فیصلہ کہیں عارضی نہ ہو اور محض حالات پر قابو پانے کے لئے کیا جا رہا ہو۔ جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو دوبارہ سے حکومت ان کی زمینیں واپس لے لی گئی۔ ان کے ان خدشات کے پیش نظر حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کی جائیدادیں مستقل طور پر انہیں دے دی جائیں۔

اس مقصد کے تحت حکومت نے ہر تعلقدار کو ایک سند دی جس میں اس بات کی ضمانت دی گئی کہ یہ جاگیریں انہیں اور ان کے وارثوں کو مستقل طور پر دے دی گئی ہیں۔ اس پر جو ریونیو عائد ہوگا وہ اسے سال بہ سال ادا کریں گے۔ سند کے ساتھ ان کے لئے جو شرائط رکھی گئیں وہ حسب ذیل تھیں:

۱۔ تمام ہتھیار حکومت کے حوالہ کر دیئے جائیں۔
۲۔ قلعوں اور گڑھیوں کو مسمار کر دیا جائے۔
۳۔ حکومت کی خدمت کے لئے تیار رہا جائے۔
۴۔ برطانوی حکومت سے وفادار رہا جائے۔

اگر کوئی ان شرائط کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی جاگیر کو ضبط کر لیا جائے گا۔ وراثت کے قانون کے مطابق جائیداد وارث کو ملے گی۔ ملکیت رکھنے والے کو یہ حق ہو گا کہ وہ اسے فروخت، رہن اور عطیہ میں پوری یا سا کا حصہ کسی کو دے سکتا ہے۔

۲۶/اکتوبر کو لارڈ کیننگ نے لکھنؤ میں دربار کیا اور اس میں ان تعلقداروں سے خصوصیت کے ساتھ ملاقات کی کہ جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی مدد کی تھی۔ اس دربار میں اودھ کے تمام تعلقدار آئے اور سب نے ایک ایک کر کے وفاداری کا عہد لیا اور نذر پیش کی، اس کے بدلہ میں حکومت نے انہیں خلعت دیں اور خطابات سے نوازا۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ جو تعلقدار وفادار رہے گا حکومت اس کی مراعات کو باقی رکھے گی(۵) ساتھ ہی میں تعلقداروں سے یہ کہا گیا کہ وہ کاشت کاروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور ان کے قدیمی حقوق کا خیال رکھیں۔ اس موقع پر لارڈ کیننگ نے جو تقریر کی اس میں تعلقداروں کو تحفظ کا پورا پورا یقین دلایا:

آپ لوگوں نے سند میں ان شرائط کو دیکھ لیا ہو گا جس کے تحت اودھ کے قدیمی تعلقداری نظام کا احیاء کیا گیا ہے اور اسے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ جب تک آپ لوگ وفادار اور رعیت کے ساتھ انصاف پسند حاکم رہیں گے۔ حکومت آپ کے حقوق اور مراعات کو باقی رکھے گی۔ آپ نے اس سند میں یہ بھی دیکھ لیا ہو گا کہ وارثوں کو بھی یہی حقوق ہمیشہ کے لئے دیئے گئے ہیں۔ (۲)

اپنی اس پالیسی کے تحت حکومت نے ایک تو تعلقداروں سے ہتھیار لے کر ان کی طاقت کوختم کر دیا۔ دوسرے ان کے قلعے اور گڑھیاں مسمار کر کے رعیت کے سامنے ان کی قوت کی علامت کوتوڑ دیا۔ اس عمل سے حکومت نے واضح طور پر اپنی بالادستی کو اس طرح سے قائم کیا کہ اس کا اظہار اب لوگوں پر ہو گیا۔ حکومت نے تعلقداروں کو دوبارہ سے حقوق تو دیئے مگر اس طرح سے کہ وہ حکومت کے تسلط میں رہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ جاگیر کی ضبطی کا حق حکومت کے پاس رہا۔ اس نے تعلقداروں کو اس طرح سے جکڑا کہ ان کے لئے حکومت سے وفاداری کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ گیا۔

برطانوی حکومت نے اس پالیس کو اختیار کرتے ہوئے تاریخ سے بھی سیکھا کہ ان کے اقتدار کے لئے ایک چھوٹا اور مضبوط طبقہ زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کسانوں اور کاشتکاروں کے بجائے وفادار تعلقداروں پر بھی بھروسہ کیا جائے۔

حکومت نے صرف ان کی جائیدادیں واپس نہ کیں بلکہ یہ کوشش بھی کہ ان کی اصلاح کی جائے۔ اس غرض سے ان میں جدید تعلیم کو روشناس کرایا۔ انہیں حکومت کے امور میں شریک کیا۔ ان کی جائیدادوں کوتقسیم ہونے اور تباہ ہونے سے بچایا۔ ساتھ ہی میں ان پر نظر رکھی کہ وہ حکومت کی مخالف سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۸ء کے بعد سے اودھ میں تعلقداروں کا جو نیا طبقہ ابھرا وہ پوری طرح حکومت کا وفادار رہا۔

سندھ میں جاگیرداری کا استحکام

۱۸۴۳ء میں برطانیہ نے سندھ پر قبضہ کیا۔ جب یہاں پر انتظامی معاملات کو طے کرنے کا وقت آیا، تو چارلس نیپر نے یہ اعلان کیا سندھ کے جاگیرداروں کو ان کی جائیدادیں لوٹا دی جائیں گی۔ اس مقصد کے لئے ان جاگیرداروں سے کہا گیا کہ وہ ۲۴/مئی ۱۸۴۴ء کو گورنر کے سامنے سلام کے لئے حاضر ہوں ۔ جو جاگیردار آئیں گے انہیں ''پروانہ سلام'' دیا جائے گا اور وہ دوامی جاگیر کے حقدار ہو جائیں گے۔

سندھ میں برطانوی حکومت کی اس پالیسی کے تحت سندھ کے جاگیردار موروثی ہو گئے ورنہ اس سے پہلے وراثت کا کوئی اصول نہیں تھا اور جاگیردار کے مرنے کے بعد وہ حکومت کے پاس چلی جاتی تھی جیسے وہ کسی اورعہدے دار یا فوجی کے حوالے کر دیتی تھی۔

اس پالیسی کے نتیجہ میں صرف حیدر آباد کلکٹریٹ میں ایک لاکھ ستر ہزار ایکڑ اراضی دائمی جاگیرداروں کے پاس چلی گئی۔ برطانوی حکومت کا خیال تھا کہ جاگیر کو موروثی بنانے کے نتیجہ میں جاگیردار طبقہ حکومت کا وفادار ہو جائے گا کیونکہ اب انہیں جاگیر کی طرف سے عدم تحفظ کا احساس نہیں رہے گا اور وہ ان کا خاندان شورش کے بجائے شرافت کو اپنا طریقہ زندگی بنالیں گے۔ (۷)

جاگیروں کو ''پروانہ سلام'' کے تحت موروثی بنانے سے سندھ کے جاگیرداری نظام کی تشکیل نو ہوئی۔ کیونکہ اب تک حکومت کی جانب سے جو جاگیریں دی جاتی تھیں وہ اس مقصد کے لئے ہوتی تھیں کہ جاگیردار حکومت کی فوجی مدد کریں گے۔ اس لئے ریونیو کی وصولیابی کی رقم ان کے فوجی اخراجات کے لئے دی جاتی تھی۔ اب نئے نظام میں بھی اس بات کا اندازہ لگایا گیا کہ ان کے فوجی اخراجات کیا ہیں؟ اس حساب سے انہیں ہدایات دی گئیں کہ وہ اپنی جاگیر سے ریونیو وصول کریں۔ اس پر جاگیرداروں نے کہا کہ جنگ کے زمانہ میں انہیں مال غنیمت بھی ملتا تھا۔ ان کی اس دلیل پر آمدنی کا تخمینہ گھٹا دیا گیا۔ مثلاً اگر پہلے یہ ۸ روپیہ تھا تو اب ۴ کر دیا۔ (۸) نیپر نے یہ بھی کہا کہ اب جاگیرداروں کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ فوج رکھیں اور حکومت کو فوجی امداد فراہم کریں۔ اس کے بدلے میں وہ زراعت کو فروغ دیں اور کاشت کاروں کو اوزار اور سہولتیں فراہم کریں(۹) اس

طرح جاگیردار جنگ کے بجائے کاشت پر توجہ دینے لگے۔ جب ان کے پاس فوج نہیں رہی تو وہ حکومت کے تابع ہو گئے ورنہ اس سے پہلے میران سندھ کو انہیں تابع رکھنے کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت پڑتی تھی۔ (۱۰)

اس طرح فیاضی کے ساتھ جاگیروں کو موروثی کرنے کے نتیجہ میں سندھ کی زمینیں بڑی تعداد میں جاگیرداروں کے پاس چلی گئیں۔ اس کا احساس حکومت کو بعد میں ہوا کہ اس نے بغیر سوچے سمجھے محض حاضری پر ''پروانہ سلام'' دے کر انہیں جو ہمیشہ کے لئے جاگیردار بنا دیا تو اس کا اثر اس کی آمدنی پر پڑے گا۔ اس لئے انہوں نے اپنی اس پالیسی میں ترمیمیں شروع کر دیں اور کوشش کی کہ کسی نہ کسی بہانے سے جاگیروں کو واپس لیا جائے۔ مثلاً ان میں سے ایک یہ ترمیم تھی کہ میروں کے عہد میں جن لوگوں کو جاگیریں ملی تھیں وہ جاگیردار کے مرنے کے بعد حکومت کے پاس چلی جائے گی۔ اگر اس پر کسی کو وراثت کا حق ہو تو وہ اس کے لئے باقاعدہ حکومت کو درخواست دے کر اس کی توثیق کرائے۔ اس سکیم کے تحت جاگیردار حکومت کی مرضی کا تابع ہو گیا۔ اس طرح جو جاگیردار ''پروانہ سلام'' حاصل نہیں کرنے پاتا تھا۔ اس کی جاگیر بھی ضبط ہو جاتی تھی۔ (۱۱)

۱۸۵۵ء میں حکومت نے ایک کمشنر برائے جاگیر مقرر کیا تاکہ وہ جاگیروں کے معاملات کی چھان بین کرے۔ اس تحقیق کے نتیجہ میں جو بات واضح ہو کر سامنے آئی وہ یہ تھی کہ ٹالپروں نے اپنے دور حکومت میں بہت سے لوگوں کو اس لئے جاگیردار بنا دیا تھا تاکہ ان کی حمایت حاصل کی جا سکے۔ اس وجہ سے بہت کم درجے کے لوگ بھی جاگیردار ہو گئے تھے چونکہ حکومت کو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی کہ جو بااثر ہوں۔ اس لئے کم درجہ کے جاگیرداروں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ دوسری نسل کے بعد حکومت ان کی جاگیریں واپس لے لے گی۔ اس کے برعکس حکومنے نے ان جاگیرداروں کو تسلیم کر لیا کہ جو ٹالپر دور سے قبل یعنی ۱۷۸۳ء سے پہلے جاگیردار تھے۔ حکومت کے اس اقدام سے یہ جاگیردار طبقہ اس کا حامی ہو گیا۔ اس طرح ۱۸۴۸ء میں کمشنر جاگیر کی تحقیق کے مطابق جاگیرداروں کو چار درجوں میں تقسیم کیا گیا۔

۱۔ وہ جاگیردار جن کی اسناد ۱۷۸۳ء سے قبل کی تھیں۔

۲۔ وہ جاگیردار جن کی اسناد ۱۷۸۷ء سے ۱۸۱۰ء تک تھیں۔

یہ جاگیریں ان کو بطور وراثت دے دی گئیں۔ کیونکہ ایک تو ان کی زمینیں رقبہ میں زیادہ نہیں تھیں۔ دوسرے ان کی قدیم حیثیت کی وجہ سے حکومت کو ان کی ضرورت تھی۔

۳۔ وہ جاگیردار کہ جن کی اسناد ۱۸۱۰ء سے ۱۸۳۷ء کے درمیان تھیں۔ ان کی جاگیروں پر موجودہ جاگیردار کے مرنے پر حکومت نے قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

۴۔ وہ جاگیریں جو میروں کے آخری دس سالوں میں دی گئیں تھیں۔ یہ تاحیات دے دی گئیں۔ (۱۲)

میروں کے عہد میں فوجی خدمات کے علاوہ علماء، صوفیاء، اور پیروں کو بھی بطور مدد عاش زمینیں دی گئی تھیں۔ ان لوگوں نے معاشی انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنی دولت کو استعمال کرتے ہوئے اپنی جائیدادوں کو نئی زمینیں خرید کر وسیع کر لیا۔ اس طرح روحانی پیشواؤں کے ساتھ ساتھ یہ بڑے جاگیردار بھی ہو گئے۔ حکومت نے ان کے ساتھ بھی اسی پالیسی کو اختیار کیا جو دوسرے جاگیرداروں کے ساتھ عمل میں لائی گئی تھی۔

ان قدیمی جاگیرداروں کے علاوہ حکومت نے وقتاً فوقتاً اپنے وفادار حامیوں کو بھی جاگیریں دیں۔ جن قدیم جاگیرداروں نے وفاداری کا ثبوت دیا تھا انہیں سکھر بند اور جمڑاؤ کی نہری اراضیاں دی گئیں (۱۳)

برطانوی حکومت جاگیرداروں کے نظام کی تشکیل نو کرنے کے بعد اس قابل ہوگئی کہ اسے حمایتوں اور وفادار لوگوں کا مضبوط طبقہ مل گیا جس نے اس کے استحکام میں حصہ لیا اور لوگوں کو حکومت کا تابع بنائے رکھا۔

پنجاب میں جاگیرداری نظام کی تشکیل نو

ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت پنجاب کا خطہ سیاسی طور پر ہمیشہ سے ہی اتھل پتھل اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہا ہے۔ خصوصیت سے آخری عہد مغلیہ میں سکھوں اور مغلوں کی لڑائیاں، سادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملے، ان سب نے پنجاب میں بحران پیدا کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے یہاں کا نظام جاگیردار بھی بدلتا رہا۔ وہ جاگیردار جن کے پاس فوجی طاقت تھی انہوں نے اپنی جاگیروں کا دفاع کیا اور جب بھی ضرورت پڑی تو انہوں نے ہر حملہ آور اور ہر نئے حکمراں کا ساتھ دے کر اپنی جاگیروں کا تحفظ کیا۔ ان کی کئی

مثالوں میں سے ایک مثال خانپور کے جاگیردار دلیر خاں کی ہے۔ اس نے احمد شاہ ابدالی (۱۷۴۷ء-۱۷۷۳ء) کا ساتھ دیا جس پر اس نے اس کی جاگیر میں اضافے کیے۔ سکھوں کے عہد میں اس خاندان کے ہاتھ سے بہت سی جاگیر نکل گئی۔ مگر جب انہوں نے مراہٹہ جنرل پیروں کا ساتھ دیا تو اس نے دوبارہ سے خانپور کی جائیداد انہیں واپس کر دی۔ (۱۴)

پنجاب میں جو بھی نیا فاتح آتا اور یہاں اپنا اقتدار قائم کرتا تو اسے جاگیرداروں کی حمایت کی ضرورت ہوتی۔ اس کی یہ ضرورت دو باتوں کی وجہ سے تھی، اول تو اقتدار کے استحکام کے لئے فوجی مدد، دوسرے ریونیو کی وصولیابی۔ جاگیردار کے اپنے تحفظ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس کا وفادار رہے۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے پرانے جاگیرداروں کو باقی رکھا اور جہاں ضرورت ہوئی وہاں نئے جاگیردار مقرر کیے۔ اس پالیسی کو رنجیت سنگھ نے بھی اختیار کیا اور سکھ سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ لیکن اس نے اپنے اس حق کو برقرار رکھا کہ جب وہ چاہتا جاگیر ضبط کر لیتا تھا۔ مثلاً اس نے ہری سنگھ نلوہ کو آٹھ لاکھ باون ہزار سالانہ کی جاگیر دی تھی، اس کے لئے شرط یہ تھی کہ وہ دو رسالے، ایک توپ خانہ اور ایک اونٹوں کا توق خانہ رکھے گا۔ اس کے مرنے پر جب اس کے وارثوں میں جھگڑے شروع ہوئے تو رنجیت سنگھ نے اس سے فائدہ اٹھا کر یہ جاگیر ضبط کر لی اور اس کے وارثوں کو ان کی حیثیت کے مطابق دوسری جاگیریں دے دیں۔ (۱۵)

۱۸۴۹ء میں جب انگریزوں نے پنجاب فتح کیا تو انہوں نے یہاں پر جاگیرداری نظام کی از سر نو تشکیل کی۔ اس سلسلہ میں ان کی پالیسی یہ تھی کہ جن جاگیرداروں نے سکھوں کے ساتھ جنگوں میں ان کی مدد کی تھی، ان کی جاگیروں کو برقرار رہنے دیا۔ مگر جن لوگوں نے ان کے خلاف حصہ لیا تھا، ان کی جاگیروں کو ضبط کر لیا گیا۔ ان میں سے کچھ جاگیرداروں نے اپنی جائیدادوں کے حصول کے لئے جب بھی موقع ملا انگریزوں سے وفاداری کا عملی مظاہرہ کیا اور ان خدمات کے عوض ان سے اپنی جاگیریں واپس لے لیں۔ انہیں یہ موقع خصوصیت سے ۱۸۵۷ء میں ملا کہ جب انہیں زبردست بغاوت کا سامنا تھا۔ ایسے نازک وقت میں جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، اس کا بدلہ انہوں نے بعد میں بڑی فیاضی سے دیا۔ اس قسم کی مثالوں میں سے ایک مثال تو سردار منگل سنگھ رام گڑھیا کی ہے کہ جس نے سکھوں کے ساتھ دوسری جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ لہٰذا اس خدمت

کے عوض اسے جاگیر دی گئی۔اس کے برعکس مجیٹھا خاندان کے سردار سرجیت سنگھ نے اس جنگ میں انگریزوں کا ساتھ نہیں دیا تھا اس لئے پنجاب پر قبضہ کے بعد اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی (۱۱) اسے بنارس جلا وطن کر دیا گیا۔ جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوا تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ جس کے عوض میں اسے ۴۸،۰۰ کی سالانہ پنشن اور گورکھپور میں جائیداد دی گئی۔

مغربی پنجاب کے مسلمان جاگیرداروں نے سکھوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا واہ کے کھٹر خاندان کا سردار ۴۹-۱۸۴۸ء میں دوسری انگریز سکھ جنگ میں انگریزوں کی حمایت میں لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے عوض اس خاندان کے سردار حیات خاں کو وفاداروں کے صلہ میں زمینیں دی گئیں۔ اس خاندان نے غدر کے زمانہ میں بھی انگریزوں کی مدد کی۔ اس طرح سے ٹوانہ خاندان نے ہر بحران میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔(۱۶)

حکومت نے یہ پالیسی پیر جاگیرداروں کے ساتھ اختیار کی۔ انہوں نے مسلمان معاشرے میں پیروں کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے انہیں اپنا حمایتی بنانے کے لئے ان کی مراعات کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے پیروں کے روحانی خاندانوں نے ہر موقع پر انگریزوں کی مدد کی۔

قدیمی جاگیرداروں کے علاوہ برطانوی حکومت نے نئے جاگیردار بھی بنائے۔ ان میں خصوصیت سے وہ لوگ یا خاندان تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں ان کی مدد کی تھی۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کو بھی زمینیں دی جاتی تھیں کہ فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ ان بااثر افراد کو بھی جاگیریں دی گئی کہ جنہوں نے فوج میں رنگروٹ بھرتی کرانے میں حکومت کی مدد کی۔ جب کنال کالونیاں بنیں تو ان میں نئے جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ قدیمی جاگیرداروں کو بھی زمینیں دی گئیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار طبقہ نے وفاداری کے ساتھ حکومت کا ساتھ دیا۔ روساء پنجاب میں جاگیرداروں کی تاریخ اس بات کی گواہی ہے کہ کس طرح مختلف اوقات میں انہوں نے حکومت کا ساتھ دیا۔ بلکہ ان میں یہ کشمکش رہتی تھی کہ کون زیادہ مدد کرتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوتی تھی کہ اپنے علاقہ میں امن و امان برقرار رکھنے میں

مدد کریں۔ باغیوں اور شورش پسندوں پر نظر رکھیں اور ان کی سرگرمیوں کی اطلاع حکومت کو فراہم کریں۔ مثلاً ملتان کے ڈایا خاندان کے شاہ محمد خان نے ۱۸۵۷ء میں ۶۲ اور ۶۵ رسلوں کے بھاگے ہوئے فوجیوں کو گرفتار کرایا۔ اس کی اس خدمت کی تعریف میں اسے ایک سند دی گئی۔ اس کے بیٹے خان کرم خاں نے مالاکنڈ میں ۹۸-۱۸۹۷ء کی سرحدی لڑائیوں میں انگریزوں کو اونٹ فراہم کیے جس پر اسے ۱۹۰۳ء کے دہلی دربار میں سند ملی۔ اس کے لڑکے زیادت خاں نے پہلی جنگ عظیم میں فوجی بھرتی کرائے اور جنگ کے لئے قرضہ فراہم کیا۔ اسی خاندان نے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۹ء کی شورشوں میں انگریزوں کی مدد کی اور ریلوے لائنوں اور تار کے کھمبوں کی حفاظت کی (۱۷)

اسی طرح کی ایک مثال سرفراز احمد خاں کی ہے جس نے احمد خاں کھرل کے بارے میں کیپٹن انفسٹن کو اطلاع دی۔ اس خدمت کے عوض اسے خاں بہادر کا خطاب اور ۵۰۰ روپیہ کا نقد انعام خلعت اور ۵۲۵ کی پنشن اور جاگیر ملی۔ اس کے لڑکے امیر علی خاں کو ۱۸۷۸ء کی افغانی لڑائی میں انگریز فوج کو اونٹ فراہم کرنے کی حدمت کے عوض سند اور نقدی ملی۔ (۱۸)

بٹالہ کے سید حسین شاہ نے غدر میں انگریزوں کی مدد کی جس پر اسے تا حیات جاگیر ملی اور پرونشل درباری بنایا گیا۔ بعد میں اس کے پوتے محی الدین نے اس روایت کو جاری رکھا اور اپنی ''انجمن اصلاح'' کے ذریعہ گجرات، سیالکوٹ، لائلپور اور ہوشیار پور میں اپنے مریدوں کی مدد سے تحریک سول نافرمانی کو روکا۔ (۱۹)

ملتان کے مخدوم شاہ محمود نے ۱۸۵۷ء میں حکومت کی مدد کی۔ روساء پنجاب میں ان کے بارے میں ہے کہ:

یہ صاحب کمشنر بہادر کو ان تمام ضروری واقعات کی خبر دیتا رہا کہ جو اس کو معلوم ہوتے رہتے تھے...... اس نے پولیس اور فوج میں آدمی دے کر مدد کی اور خود بھی کرنل ہملٹن صاحب کے ہمراہ پچیس سواروں کے ساتھ باغیوں سے لڑنے گیا...... جنگ کے اس موقع پر مخدوم شاہ محمود کی موجودگی سے باغیوں پر بڑا اثر پڑا۔ انہوں نے یہ دیکھ کر خود ان کے مذہب کا ایک آدمی پیشوا ان کی بغاوت کے خلاف ہے اپنے دل ہار دیئے...... مخدوم کے مریدوں میں سے کوئی بھی باغیوں کے ساتھ نہیں شامل ہوا...... ان خدمات کے صلہ میں

مخدوم کو ۳۰۰۰ روپیہ نقد انعام ملا۔ زیارت کے نقد وظیفہ کا تبادلہ، ۱۷۸۰ روپہ مالیت کی اراضی جاگیر کے ساتھ دیا اور یہ جاگیران ۵۵۰ روپیہ مالیت کے آٹھ چاہات کے علاوہ تھی جو مخدوم کو بطور علیٰ الدوام عطیہ کے ملے تھے۔ پھر ۱۸۶۰ء میں حضور وائسرائے بالقابہ کی تشریف آوری لاہور کے موقع پر مخدوم کی ذات خاص کے لئے ایک باغ ۱۵۰ سالانہ آمدنی کا عطا ہوا جو بھنگی والا باغ مشہور ہے۔ (۲۰)

ان چند مثالوں کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ جن میں جاگیرداروں نے حکومت کی مدد کی۔ ان کے ہمراہ جنگوں میں حصہ لیا اور ہندوستان کو فتح کرنے میں کا ہاتھ بٹایا۔ ان جنگوں کے لئے رنگروٹ بھرتی کرائے۔ گھڑ سواروں کے لئے گھوڑوں کی پرورش کی، جنگوں کے لئے چندہ بھی دیا اور جمع بھی کرایا۔ یہ صرف ہندوستان ہی میں ان کے لئے نہیں لڑے بلکہ افغانستان، افریقہ اور یورپ تک ان کی فوجوں کے ہمراہ گئے۔

انگریزوں حکومت نے اس طبقہ کا تحفظ اس لئے کیا کیونکہ وہ ان کے ذریعہ صوبہ میں امن و امان برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ ان جاگیرداروں کے اختیارات بڑے وسیع تھے اس لئے یہ ممکن ہوا کہ انہوں نے رعایا کو اطاعت گزار رکھا۔

حوالہ جات

۱۔ A.R. Desai: Social Background of Indian Nationalism. Bombay, 1948, Reprinted 1991- P.37

۲۔ ایضاً: ص ۳۹،۳۷

۳۔ D.J. Marshal: Bengal: The British Bridgehead. Cambridge, 1987. PP.146,147.

۴۔ R.K. Saradhikari: The Taluqadari Secttlement in Oud'h. Ist edition 1882 Rep. Delhi 1985, P.4

۵۔ ایضاً: ص ۳۴

۶۔ ایضاً: ص ۳۶

۷۔ William Napier: History of Sir General Charles Napier. London, 1856, Rep. Karachi, 1995. P.333

۸۔ ایضاً: ص ۱۱۱-۱۱۰

۹۔ ایضاً: ص ۳۷

۱۰۔ ایضاً: ص ۱۱۲

۱۱۔ سارہ انصاری Sufi-Saints and State Power: The Pirs of Sindh 1843-1947. Vanguard Lahore 1992. PP.40,41

۱۲۔ ایضاً: ص ۴۱،۴۰

۱۳۔ ایضاً: ص ۵۷

۱۴۔ لیفل ایچ، گرفین و کرنل میسی (اردو ترجمہ) تذکرہ روسائے پنجاب، جلد اول، سنگ میل لاہور، ۱۹۹۳ء ص ۲۶،۲۵

۱۵۔ تذکرہ روسائے پنجاب: جلد دوم، ص ۵۳۴

۱۶۔ Ian Talbot: Punjab and the Raj. Delhi 1988, PP. 50,51

۱۷۔ تذکرۂ روسائے پنجاب: جلد دوم: ص ۵۳۴

۱۸۔ ایضاً: ص ۸۸، ۴۸۷

۱۹۔ ایضاً: ص ۶۱

۲۰۔ ایضاً: ص ۹۹-۴۹۸

ساتواں باب

جاگیردار اور برطانوی نظام تسلط

کمپنی کے زمانہ میں برطانوی حکومت کی یہ پالیسی تھی کہ حکومت کے منتظمین اور لوگوں کے درمیان رابطہ ہونا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ فارسی، ہندوستانی اور دوسری مقامی زبانوں کو سیکھیں تاکہ لوگوں سے براہ راست رابطہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ ان کا رویہ سماجی و معاشی اصلاحات کی طرف تھا۔ وہ ہندوستان کے قدیم نظام میں تبدیلی کے خواہش مند تھے۔

لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ اور اس کے نتیجہ میں کمپنی کی حکومت کے خاتمہ نے برطانوی حکومت کی پالیسیوں کو بدل دیا۔ جنگ کے نتیجہ میں انہیں لوگوں کی طرف سے مایوسی ہوئی تھی کہ انہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا اور ان کے خلاف بغاوت میں حصہ لے کر ان سے بدعہدی کی تھی۔ اس لئے وہ سماجی اصلاحات سے دستبردار ہو گئے اور کوشش کی کہ ہندوستان کے قدیم نظام کو اس طرح سے رہنے دیا جائے۔ عوام سے براہ راست تعلق کے بجائے با اثر اور رسوخ والے لوگوں کے ذریعہ ان سے رابطہ رکھا جائے۔ اس لئے لارڈ کیننگ کے اودھ میں تعلقداری کے نظام کو بحال کیا۔ اس کی اسی پالیسی کو دوسرے صوبوں اور علاقوں میں بھی اختیار کیا گیا۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ جاگیردار طبقہ کو ہوا۔

جب جاگیردار طبقہ برطانوی حکومت کے لئے ضروری ہو گیا اور اس طبقہ نے بھی اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تو برطانوی حکومت نے اس کے تحفظ، ترقی اور استحکام کے لئے مختلف قدم اٹھائے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بدلتی ہوئی صورت حال میں تاجروں اور ساہوکاروں کا طبقہ ابھرا رہا تھا او وہ جاگیرداری کے لئے ایک خطرہ تھا۔ جاگیردار جو اپنی جاگیری کے انتظام پر پوری توجہ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی مالی حالت

خراب ہو رہی تھی کہ نئی صورت حال میں جاگیرداروں کا پرانا نظام ٹوٹ چکا تھا۔ اب اس انتظام کے لئے جس نئی تنظیم کی ضرورت تھی جاگیردار اس کے اہل نہیں تھے۔ وہ اپنی آمدنی اور اخراجات میں کئی توازن نہیں رکھتے تھے وہ زیادہ اخراجات کی صورت میں قرض لیتے تھے اور یہ قرض دینے کے لئے اس وقت سوائے کے ساہوکار کے اور کوئی ادارہ نہیں تھا کہ جہاں سے انہیں آسان شرائط پر قرض مل سکتا۔

پنجاب میں جاگیرداری نظام کے اس بحران کی وجہ سے جاگیرداروں نے اپنی جاگیریں رہن رکھنا شروع کر دیں۔ خاص طور پر مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے علاقوں میں ان کی زمینیں ساہوکار خرید رہے تھے۔(۱) اس صورت حال کی وجہ سے حکومت کو تشویش ہوئی۔ اور ۱۸۱۵ء کی لینڈ ٹرانسفر رپورٹ میں لکھا گیا کہ گاؤں کا انتظام ان لوگوں کے پاس ہونا چاہئے جو با اثر ہوں اور گاؤں والوں کا اعتماد رکھتے ہوں۔ ایک ایسا طبقہ ہی حکومت اور رعیت کے درمیان رابطہ کا کام دے سکتا ہے۔ ساہوکار یہ حیثیت کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب کہ قدیمی جاگیردار اس کردار کو عمدگی کے ساتھ ادا کرنے کے قابل ہیں۔ (۲)

اب حکومت نے اس جانب توجہ دی کہ جاگیرداروں اور تعلقداروں میں اس احساس کو پیدا کیا جائے کہ وہ اپنی جانداروں کا بہتر انتظام کریں اور اب تک جو بدعملی اور بدانتظامی ہوتی رہی ہے اسے روکیں۔ خصوصیت سے ان کا عملہ جو مدعنوانیوں غبن اور خورد برد میں ملوث ہوتا ہے اس کا سد باب کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جاگیردار بذات خود جاگیر کے انتظامات کو دیکھے اور اس میں دلچسپی لے۔ اس کے نتیجہ میں ہم تعلقداروں اور جاگیرداروں کے رویہ میں تبدیلی دیکھتے ہیں۔ خصوصت سے اودھ کے تعلقداروں نے اپنی زمینوں کے بندوبست اور انتظام پر خصوصی توجہ دی اس کے لئے باقاعدہ سے منتظمین کو مقرر کیا۔ مثلاً پرتاب گڑھ کی جاگیریں پہ عہد دار تھے۔ دیوان ریاست، افسر صیغہ عدالت، افسر صیغہ مال، پش دکست منشی برائے، معتمد خانگی، نائب معتمد خانگی اور نائب معتمد صیغہ مال اور مختار۔ اس نئے انتظامی ڈھانچہ کی وجہ سے تعلقداروں نے نہ صرف بدعنونیوں کو روکا بلکہ اپنی آمدنی میں خطیر اضافے بھی کئے۔ (۳) یہ بھی ہوا کہ جن تعلقداروں نے جاگیر کے انتظامات میں دلچسپی نہیں لی اور ان کا صحیح بندوبست نہیں کیا وہ اپنی جاگیروں کی آمدنی کو برقرار نہیں رکھ سکے۔

کورٹ آف وارڈ

جاگیر کے انتظامات میں اس وقت خلل پڑتا تھا جبکہ وارث نا بالغ، پاگل، یا معذور ہو۔ یا جاگیردار نے اپنی آمدن کا خیال کئے بغیر بے تحاشہ قرضہ لے لیا اور اس کی وجہ سے دیوالیہ ہونے کے قریب ہو گیا ہو۔ اس صورت حال میں برطانوی حکومت کورٹ آف وارڈ کے نظام کو روشناس کرایا تا کہ ان جاگیروں کا انتظام حکومت کی جانب سے مقرر عہدے دار کریں۔ پنجاب میں ۱۸۹۳ء میں ۶۴ جاگیروں کا انتظام کورٹ آف وارڈ سنبھالے ہوا تھا۔ کورٹ کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے ۱۸۹۳ء کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد جاگیر کے وارث کے مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ ساتھ ہی کسانوں اور جاگیر کے رہنے والوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا ہے۔ کورٹ اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ نظام آب پاشی، زراعت، اور مویشیوں کی نسل، خاص طور سے گھوڑوں کی نسل کی افزائش پر خصوصی توجہ دے۔ اگر مناسب ہو تو اور زمین خرید کر جاگیر کو وسعت دے۔ یہ بھی کورٹ کا فرض ہے کہ وہ نابالغ وارث کی تعلیم کا خیال رکھے۔ (۴) اسی قسم کا کورٹ آف وارڈ سندھ میں بھی تشکیل دیا گیا۔(۵)

۱۹۰۷ء میں کونسل آف دی لیفٹنٹ گورنر پنجاب کے ایک ممبر لان گوپال نے کورٹ آف وارڈ کی اہمیت پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کا مقصد ہے کہ قدیمی خاندانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے کیونکہ حکومت اس امر کو پوری طرح سے سمجھتی ہے کہ مالدار جاگیرداروں کا ہونا اس کے لئے ضروری ہے اس لئے وہ نہیں چاہتی ہے کہ اس طبقہ کا خاتمہ ہو۔ اس نے کہا کہ:

> ''جاگیرداروں کا طبقہ حکومت کے استحکام میں دلچسپی لیتا ہے اور امن و امان برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ لوگوں میں اس کا بڑا اثر و رسوخ ہے کہ جس کی وجہ سے پر تشدد انقلاب کے راستے رکے ہوئے ہیں۔ اس کا تجربہ ۱۸۵۷ء میں اودھ میں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے لارڈ کیننگ نے اودھ کے تعلقداروں کی قدیمی حیثیت کو بحال کیا۔''(۶)

جو انگریز عہدے دار کورٹ آف وارڈ کے تحت جاگیر کے انتظامات کرتے تھے ان کو حکومت کے عہداروں کے مقابلہ میں زیادہ تنخواہیں ملتی تھیں۔ مثلاً بلرام پور کے ایجنٹ کو دو ہزار روپیہ ماہانہ اور وارڈ کے ٹیوٹر کو ۸۰۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔(۷)

کبھی کبھی کورٹ آف وارڈ انتظامات کے سلسلہ میں خاص قوانین اور ضابطے بھی بنا لیتا تھا۔ مثلاً بلرام پور ہی میں خاص قوانین کے تحت جاگیر کے ہر فرد کے لئے خصوصی ذمہ داریاں مقرر کی گئیں تھیں اور انہیں ہدایت تھی کہ وہ کتنے روپیہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اگر وہ دوروں پر جائیں تو کیسے سفر کریں۔ مثلاً اگر اسپیشل منیجر دورے پر جائے تو اسے یہ حق تھا کہ وہ دو ہاتھی اور ایک فوجی ساتھ میں رکھ سکتا تھا۔ جو ایک نائک اور چار سپاہیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔(۸)

حکومت نے ان جاگیروں کے لئے جو قرضے میں جکڑی ہوئی تھیں اور جن کے مالکین انہیں رہن رکھنے پر مجبور تھے۔ ایسی جاگیروں کے تحفظ کے لئے بھی قوانین بنائے۔ ۱۸۷۶ء میں سندھ میں ایک قانون کے ذریعہ مقروض جاگیردار کو تحفظ دیا گیا اس کی ملکیت اس وقت تک حکومت کے پاس رہتی تھی کہ جب تک بقایا جات ادا نہ کر دیئے جائیں۔(۹)

پنجاب میں ساہوکاروں کا زور توڑنے کے لئے ۱۹۰۱ء میں قانون پاس ہوا جو پنجاب ایلی نیشن ایکٹ (Punjab Alienation Act) کہلاتا تھا اس کے تحت آبادی کو زراعتی وغیر زراعتی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا۔ اس کے تحت غیر زراعتی زمینیں نہیں خرید سکتا تھا۔اس قانون نے جاگیردار کو جائیداد کا تحفظ دیا۔(۱۰)

قانون وراثت

جاگیر کی حفاظت کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ یہ وراثت میں تقسیم در تقسیم نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں جاگیردار طبقہ نہ صرف کمزور ہوتا بلکہ وقت کے ساتھ ختم بھی ہو جاتا۔ انگریزوں کے ذہن میں انگلستان کا وراثت کا قانون تھا کہ جس میں صرف بڑا لڑکا جائیداد کا وارث ہوتا تھا اور باقی لڑکوں کو اپنا کیریئر خود بنانا ہوتا تھا۔ اس قانون کی وجہ سے نہ صرف جائیداد محفوظ رہتی تھی بلکہ جاگیردار طبقہ اپنی قدامت اور روایات کو بھی برقرار رکھتا تھا۔

اس لئے برطانوی حکومت نے ہندوستان میں بھی اس قانون کے تحت جائیداد کا

تحفظ کرنا چاہتی تھی۔ اگرچہ ہندوستان میں کچھ خاندانوں میں یہ رواج تھا کہ جائیداد ایک فرد کو مل جاتی تھی اور یہ اس کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ دوسرے اراکین خاندان کے وظیفے مقرر کر دے(۱۱) پنجاب میں ۱۹۰۲ء میں لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں جانشینی کا قانون پاس ہوا کہ جس میں جاگیردار کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنا جانشین نامزد کیا کرے۔

مئی ۱۹۰۳ء میں پنجاب لاء ایکٹ ۱۸۷۲ کے سیکشن ۸ میں ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر ٹور پر (Turpper) نے کہا کہ جب مئی ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے جاگیرداروں میں اسناد تقسیم کیں تھیں تو ساتھ ہی میں یہ کہا تھا کہ: ''سیاسی طور پر یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ جانشینی کے قانون کے نفاذ کی ہمت افزائی کی جائے۔ گورنر کا خیال ہے کہ لوگوں کے لئے اس سے زیادہ بدقسمتی کی اور کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ جس معاشرے میں جاگیردار اہم طبقہ ہوں وہاں دولت مند اور با اثر خاندان آہستہ آہستہ لاتعداد غریب خاندان میں بدل جائیں۔ ہز ایکسی لینسی کا خیال ہے کہ وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو مطمئن رکھنا بھی مشکل ہوگا۔ اس بل میں ایسی کوئی بات نہیں کی جا رہی ہے جو جاگیردار کو مجبور کرے بلکہ جاگیردار سے یہ کہا جا رہا ہے وہ حکومت کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے خود اپنے طور پر ایسے اصول وضع کرے کہ جس سے اس کی جائیداد کئی وارثوں میں تقسیم در تقسیم نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں صوبہ کے اعلیٰ خاندان آہستہ آہستہ اپنا سماجی رتبہ کھو دیں گے۔ اسناد کے دینے کا مقصد یہ ہے کہ جاگیردار اور حکمراں خاندان تمام ہندوستان میں ہر میجسٹی ملکہ کی خواہش کے مطابق ہمیشہ کے لئے قائم رہیں اور گھرانوں کی عظمت وشان کی نمائندگی کرتے رہیں۔''(۱۲)

برطانوی حکومت ہندوستان کے مختلف حصوں اور علاقوں میں کوشش کرے کے وراثت کے ایسے قوانین بنانا چاہتی تھی کہ جن کے ذریعہ جائیداد ایک یونٹ میں قائم رہے مثلاً کرنل ویس (Wase) کی کوشش سے ہزارہ کی جاگیرداری کو وراثت میں دینے کے سلسلہ میں فرنٹیر ریگولیشن ۱۸۷۲ء میں دفعات رکھی گئی تھیں۔ (۱۳)

قانون وراثت کے باوجود وراثت کے معاملات پر وارثوں میں اکثر جھگڑے ہوتے رہتے تھے جن کا فیصلہ عدالتیں کرتی تھیں۔ حکومت کی دلچسپی اس امر میں زیادہ تھی کہ جائیداد تقسیم نہ ہوا اور ایک ہی وارث کے پاس رہے۔

تعلیم و سرکاری ملازمتیں

جاگیرداروں کو جدید زمانے کے تقاضوں سے روشناس کرانے کی غرض سے برطانوی حکومت نے اس بات کی کوشش کی کہ ان میں جدید تعلیم کا شوق پیدا کیا جائے۔ کیونکہ یورپی تعلیم کے حصول سے یہ طبقہ انگریزوں کے اور قریب آ جاتا۔ ان ابتدائی کوششوں کا جاگیردار طبقہ نے کوئی ہمت افزا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ ان کے لئے تعلیم ضروری نہیں تھی۔ ان کے سماجی رتبہ اور عزت کی بنیاد زمین اور اس سے پیدا شدہ دولت پر تھی۔ جاگیر کے انتظام کے لئے وہ تعلیم یافتہ لوگوں کو ملازم رکھ لیتے تھے۔ اگر ان میں تعلیم کا رواج تھا بھی تو وہ روایتی تعلیم تھی۔ مذہبی علوم، شعر وشاعری اور ادب ان کی دلچسپی کا باعث ہوا کرتے تھے۔

جاگیرداروں کے بچے اسکول جانا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہاں انہیں عام بچوں کے ساتھ بیٹھنا پڑتا تھا۔ اس لئے ان کی تعلیم کے لئے استاد گھروں پر آتے تھے جس کی وجہ سے سے معاشرہ میں استاد کی عزت کم تھی۔ کیونکہ وہ بھی عام ملازمین کی طرح گھر گھر جا کر اپنی معاش پیدا کرتے تھے۔ چونکہ جاگیرداروں کو کسی ملازمت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے سند یا سرٹیفکیٹ کی ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس لئے جب حکومت نے انہیں اسکول میں آنے کو کہا تو اس کی سخت مزاحمت کی گئی۔ اول تو یہ بورڈنگ ہاؤس میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے کہ جہاں ڈسپلن کے لئے قوانین وضوابط تھے جب کہ یہ خود کو ان سے بالاتر سمجھتے تھے۔ دوسرے اسکول میں جسمانی سزائیں بھی دی جاتی تھیں جو ان کے لئے بے عزتی کا باعث تھیں۔ لیکن حکومت کی کوشش تھی کہ انہیں اسکول میں لایا جائے تاکہ ان میں سماجی شعور پیدا ہو۔ لہذا انہوں نے ان کے لئے مراعات رکھیں کہ وہ میس میں کھانے کے بجائے خود اپنا کھانا پکوا سکتے ہیں۔ اپنی خدمت کے لئے ملازم رکھ سکتے ہیں۔ اور یہ کہ انہیں کوئی جسمانی سزا نہیں دی جائے گی۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے ان کے لئے خصوصی تعلیمی ادارے قائم کئے جیسے ۱۸۸۶ء میں لاہور میں ایچی سن کالج، یہاں صرف جاگیرداروں کے لڑکوں کو داخلہ ملتا تھا۔ ۱۸۹۰ء میں تعلقداروں کے لڑکوں کے لئے کولون اسکول وغیرہ۔ (۱۴) تعلقداروں کا یہ طبقہ دو یا تین نسلوں بعد بدل گیا۔ اب وہ

دیہاتی اور اجڈ جاگیردار نہیں رہا کہ جو اپنی گڑھیوں اور قلعوں میں رہتا تھا بلکہ یہ انگریزی فیوڈل لارڈ بن گیا جس نے کولون تعلقدار کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ جو انگریزی لباس پہنتا تھا۔ جو اپنے دوستوں کو خاندان کی البم دکھاتا تھا اور انہیں شمپن و سگار پیش کرتا تھا۔ اب اس کی مٹی سے بنی ہوئی حویلیاں غائب ہوگئیں تھی اور ان کی جگہ جدید بڑے بڑے مکانات تھے کہ جن میں بھس بھرے شیر، نادر اشیاء، اور کوئن وکٹوریہ کی تصویر نظر آتی تھی۔(۱۵)

حکومت نے جاگیرداروں سے تعلقات مضبوط کرنے اور عوام میں ان کی حیثیت بڑھانے کے لئے جو اقدامات کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ انہیں حکومت کی ملازمتوں میں شامل کیا جائے۔ اسی طرح سے وہ خود کو حکومت میں شریک سمجھیں گے اور اس سے ان میں وفاداری کے جذبات گہرے ہوں گے۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت انہیں آنریری مجسٹریٹ، میونسپلٹی کا ممبر یا صدر، ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر، اور لیجسلیٹو کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔ ان ملازمتوں، آنریری عہدوں اور حکومت کی طرف سے مختلف اداروں کے نامزد رکن کی حیثیت سے ایک طرف تو یہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتے تھے، دوسرے اس کی وجہ سے ان کے تعلقات برطانوی عہدے داروں سے قریبی ہو جاتے تھے۔

خطابات و مراعات

لیکن جہاں برطانوی حکومت ان کے تحفظ کے لئے کوشاں تھی وہاں اس تحفظ کی اولین شرط یہ تھی کہ وہ حکومت کے ساتھ وفادار رہیں اور کسی بھی ایسی سرگرمی میں حصہ نہ لیں کہ جن سے حکومت کو نقصان پہنچے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جو قوانین اور ضوابط بنائے ان کے ذریعے سے انہوں نے جاگیرداروں پر اپنا تسلط برقرار رکھا۔ حکومت اس بات کو خوب جانتی تھی کہ ایک جاگیردار خاندان کے لئے سب سے اہم بات معاشرے میں اس کی عزت اور وقار ہے۔ اگر یہ برقرار رہے گا تو وہ مطمئن رہے گا اور حکومت سے وفاداری کرے گا۔ اس لئے حکومت ہندوستان کی قومی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے امراء کو ان کی خدمات کے پیش نظر خطابات دیا کرتی تھی۔ ان خطابات سے ان کی عزت مقصود تھی۔ اس لئے جہاں ایک طرف قدیمی خطابات کو بھی روشناس کرایا جیسے آڈر آف برٹش

انڈیا، اسٹار آف انڈیا وغیرہ۔ ہز ہائی نس کا خطاب صرف ریاست کے حکمرانوں کو دیا جاتا تھا۔ خطابات کے علاوہ خدمات کے اعتراف میں انہیں میڈل بھی دیئے جاتے تھے جیسے ڈسٹنگ وِش سروس میڈل، دی برٹش وار، دی وکٹری میڈل، اور سلور جوبلی میڈل وغیرہ وغیرہ۔

خطابات دیتے وقت جاگیردار کے بارے میں پوری معلومات اکٹھی کی جاتی تھیں اس کے خاندان اور اس کی خدمات کو دیکھا جاتا تھا۔ مثلاً ۱۸۶۲ء میں حکومت سے اودھ کے ڈسٹرکٹ آفیسر سے کہا کہ وہ تعلقداروں کی ایک فہرست تیار کرے کہ کون کس خطاب کا حقدار ہے۔ لہٰذا اس فہرست کی تیاری میں جن چیزوں کو مدنظر رکھا گیا وہ وفاداری، پبلک خدمات، اور معاشرے میں اثر ورسوخ تھیں۔ اکثر تعلقدار خطاب حاصل کرنے کے لئے کئی سال کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔ مثلاً جہانگیر آباد کے تصدق حسین کو راجہ کا خطاب بارہ سال بعد ملا۔ (۱۶) ان خطابات کی وجہ سے جاگیرداروں کا حکومت سے وفادار رہنے اور زیادہ سے زیادہ خدمات ادا کرنے کا مقابلہ ہو جاتا تھا۔ ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اسے بھی اس کے رتبہ کے مطابق کوئی نہ کوئی خطاب مل جائے تا کہ وہ اپنے ہم رتبوں میں بے عزت نہ ہو۔

خطابات کے بعد حکومت کو یہ بھی پالیسی تھی کہ جاگیرداروں کو دوسرے طبقوں سے ممتاز کرنے کے لئے انہیں مراعات دی جائیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ ان میں اور عام لوگوں میں فرق قائم ہو جاتا تھا۔ مثلاً غدر کے بعد حکومت نے تمام لوگوں سے اسلحہ واپس لے لیا تھا۔ لیکن اب اسلحہ رکھنے کی اجازت وفادار جاگیرداروں کو دے دی گئی۔ اسی طرح سے ۱۸۵۷ء کے بعد جاگیرداروں کے مسلح محافظ دستے ختم کر دیئے گئے تھے، مگر اب جاگیرداروں نے دوبارہ سے کوشش کی کہ انہیں محافظ دستے رکھنے کی اجازت دی جائے۔ یہ حفاظتی دستہ دراصل حفاظت کے لئے اتنا ضروری نہیں تھا جتنا کہ ذاتی شان وشوکت اور رعب کے لئے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ بڑے جاگیرداروں کو یہ مراعت دی گئی۔ جیسے کہ بلرام پو کے راجہ کو ۵۰۰ مسلح سپاہی اور ۷ توپیں رکھنے کی اجازت تھی۔ (۱۷)

جاگیردار اپنی حیثیت اور مرتبہ کو برقرار رکھنے کی خاطر ہر وہ مراعت چاہتے جو ان میں اور عام لوگوں میں فرق ظاہر کرے۔ لہٰذا ان کو ایک مراعت یہ دی گئی کہ وہ دیوانی

عدالت میں حاضری سے مستثنٰی ہوں گے۔ کیونکہ کسی جاگیردار کے لئے یہ بڑی بے عزتی کی بات تھی کہ اسے عام لوگوں کے ساتھ عدالت میں حاضر ہونا پڑے۔

جاگیرداروں کے درمیان مقابلہ کی فضا قائم کرنے کے لئے حکومت جاگیرداروں کو کمشنر، لیفٹیننٹ گورنر یا وائسرائے کے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیتی تھی، ایک تو دربار میں آنے کی دعوت اور کسی بڑے برطانوی افسر سے شرف ملاقات باعث فخر بات ہوتی تھی۔ اس کے بعد حکومت نے ان کے مراتب کے لحاظ سے دربار میں ان کی نشستوں کو رکھا تھا۔ ان میں جن لوگوں کو اولین صف میں بیٹھنے کو ملتا تھا وہ دوسروں کے مقابلہ میں خود کو برتر سمجھتے تھے۔ ان درباروں میں حاضر ہونے والے جاگیردار نذر پیش کرتے تھ۔ جو کہ ایک قدیم ہندوستانی روایت تھی اور جس سے وفاداری کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے بدلہ میں اسے خلعت، انعامات اور تحائف دیئے جاتے تھے۔ چونکہ دربار کا ادارہ قدیم ہندوستانی روایت کو جاری رکھے ہوئے تھا اس لئے جاگیردار اس کے انعقاد اور اس کے آداب کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس موقع پر شامل ہو کر وہ اپنی شان وشوکت اور رعب و دبدبہ کو بھی ظاہر کرنا چاہتے تھے جس سے ان کی رعیت متاثر ہوتی تھی۔ جب ۱۸۷۳ء میں وائسرائے نے خلعت دینی بند کی تو اس پر جاگیرداروں میں سخت ردعمل ہوا۔ کیونکہ رسم کے لحاظ سے نذر اور خلعت دونوں کی عوام میں انتہائی اہمیت تھی۔ (۱۸) اس سے ان کے اور برطانوی حکومت کے تعلقات معلوم ہوتے تھے۔

حکومت نے ان مراعات کو جاگیرداروں کے خلاف اس وقت استعمال کیا کہ جب ان کا رویہ حکومت کے خلاف ہوتا، یا حکومت کو ان کے کسی عمل سے شک گزرتا۔ تو ایسے موقعوں پر حکومت ان سے مراعات چھین کر یا کم کر کے انہیں راہ راست پر لے آتی تھی۔ مثلاً دربار میں ان کی نشستوں کو پیچھے کر دینے سے انہیں ذلت کا سامنا کرنا پڑتا تھا یا ان کی دربار میں حاضری ہی بند کر دی جاتی تھی اور ان کی نشست منسوخ کر دی جاتی تھی، تو ان کے دماغ درست ہو جاتے تھے اور وہ فوراً حکومت سے معافی کے خواستگار ہوا کرتے تھے۔

اس لئے جاگیرداروں کو ایک مرتبہ جو مراعات مل جاتی تھیں وہ انہیں بچانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے لئے وہ حکومت اور اس کے عہدے داروں کو

خوشامد میں رہا کرتے تھے۔ جب ایک مرتبہ ان کا انحصار حکومت کی خوشنودی پر ہو گیا تو ان کی خود مختار حیثیت ختم ہو گئی اور وہ حکومت کے خلاف کسی بھی سرگرمی میں خود کو ملوث ہونے سے بچاتے تھے۔ اس کے برعکس خود کو مراعات کا حقدار ثابت کرنے کی غرض سے ہر موقع پر حکومت سے وفاداری کا مظاہرہ کرتے تھے اور جب بھی ضرورت پڑتی تھی حکومت کے مختلف فنڈوں میں مالی عطیات بڑھ چڑھ کر دیتے تھے جیسے امپیریل فنڈ برائے سلور جوبلی فنڈ وغیرہ۔

جاگیرداری کی اس اعلیٰ حیثیت اور معاشرے میں ان کی عزت و وقار کے باوجود بیوروکریسی انہیں اپنی رعایا سمجھتی تھی اور ان کے اور اپنے درمیان ایک فاصلہ رکھتی تھی اور خود کو ان سے برتر اور ان کا سرپرست سمجھتی تھی۔ اس کا احساس وہ جاگیردار طبقہ کو برابر دلاتے رہتے تھے کہ ان کا معاشرہ میں جو مقام ہے اور جن مراعات کے وہ حقدار بنے ہوئے ہیں، یہ سب ان کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ انہیں اپنی رعایا سمجھتے ہوئے وہ اکثر ان کے رویہ پر ڈانٹتے، جھڑکتے اور برا بھلا کہتے تھے۔ اگر جاگیردار اپنے فرائض بخوبی پورے نہیں کرتا تو اس پر تنقید بھی کرتے تھے۔

بیوروکریسی کا اپنا رویہ تھا۔ جب کوئی جاگیردار کسی انگریز عہدے دار سے ملنے جاتا تو اول تو اسے عمارت سے باہر دھوپ میں گاڑی میں بیٹھے ہوئے انتظار کرایا جاتا۔ ایک آدھ گھنٹے بعد اسے برآمدے میں آنے کی اجازت ملتی تھی۔ پھر چپراسیوں کی خوشامد کر کے اسے افسر سے ملنے کی اجازت ملتی تھی۔ اگر وہ چپراسی کو اچھی سی ٹپ نہ دیتا تو اسے بیٹھنے کے لئے کرسی بھی نہیں ملتی تھی۔ جب وہ گورنمنٹ ہاؤس جاتا تو داخلہ سے پہلے ان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ کئی جگہ افسر کے کمرے میں جانے سے پہلے انہیں جوتے اتارنا پڑتے تھے۔ (۱۹) چونکہ یہ ان جاگیرداروں کے مفاد میں تھا کہ وہ افسران اعلیٰ کو خوش رکھیں۔ اس لئے وہ اس بے عزتی کو برداشت کرتے تھے اور ان کے ساتھ خوشامدانہ رویہ اختیار کرتے تھے۔

لہٰذا جاگیردار کے کردار کے دو پہلو تھے ایک طرف وہ رعیت اور عام لوگوں کے ساتھ رعونت سے پیش آتا تھا اور خود کو برتر و اعلیٰ سمجھتا تھا۔ دوسری طرف برطانوی افسروں کے ساتھ وہ خوشامدانہ لہجہ اختیار کر کے خود کو اپنے منصب سے گرا لیتا تھا۔ کردار کی اس دوئی اور کمزوری نے جاگیردار طبقہ کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ کسی بھی مسئلہ پر حکومت سے

احتجاج کرے یا اس سے مقابلہ کرے۔

عہد برطانیہ میں جاگیرداری کے نظام کی تشکیل میں برطانوی حکومت نے اپنے مفادات کا تحفظ کیا۔ اس نے اس نظام میں جو تبدیلیاں کیں اس کے پس منظر ایک غیر ملکی حکومت کا رویہ تھا کہ جو اس ملک میں اپنے اقتدار کو قائم کرنے اور استحکام دینے کے لئے حمایتوں کا ایک ایسا گروہ تشکیل دینا چاہتی تھی جو اس کے ساتھ وفادار ہو۔

نظام جاگیردار کو پائیدار بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے انہوں نے ''لمبی جائیداد'' کے اصول کو روشناس کرایا۔ پھر اس جائیداد کے تحفظ کے لئے وراثت کے قانون، کورٹ آف وارڈ، اور جائیداد کی منتقلی کے بارے میں قوانین بنائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے جاگیردار کے روایتی اختیارات بھی چھین لئے جن میں یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ اپنے علاقہ میں امن و امان برقرار رکھے اور فیصلے کرے۔ اب یہ اختیارات پولیس اور عدالتوں کو دے دیئے گئے۔ جاگیرداروں کو اب اجازت نہیں تھی کہ وہ فوج رکھیں اور حکومت کو فوجی مدد کریں۔ کیونکہ حکومت کی اپنی فوج تھی اور وہ پہلے کے حکمرانوں کی طرح فوجی امداد کے لئے جاگیرداروں کے محتاج نہیں تھے۔ فوج کے نہ ہونے سے جاگیردارں کی حیثیت متاثر ہوئی۔ کیونکہ اب وہ فوج کے بغیر اپنی روایتی حیثیت کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے بلکہ اس کے لئے اسے حکومت اور حکومت کے عہدے داروں کا محتاج ہونا پڑا۔ اس لئے اب ڈسٹرکٹ آفیسر، کمشنر، گورنر، لارڈ وائسرائے کی اتھارٹی اہم ہوگئی۔

برطانوی حکومت کی اس تشکیل نو نے جاگیردار کے کردار کو بدل کر رکھ دیا۔ اب وہ حکومت کی نظام کا ایک ایسا حصہ تھا جو مکمل طور پر حکومت کے سہارے قائم تھا۔

ریاستیں اور جاگیرداری نظام

برطانوی حکومت نے اپنے مفادات کی خاطر ہندوستان میں کئی چھوٹی و بڑی ریاستوں کو باقی رکھا اور ان کو اندرونی معاملات میں خودمختاری دے دی۔ ان ریاستوں کی حیثیت یہ تھی کہ ان کے راجہ، مہاراجہ، اور نواب برطانوی حکومت کے وفادار تھے اور جیسا کہ مغلوں نے راجپوت حکمرانوں کو موروثی حقوق دے رکھے تھے یہی حقوق برطانوی حکومت نے ریاستوں کے حکمرانوں کو دے رکھے تھے۔

ان ریاستوں میں ان کا اپنا جاگیرداری نظام تھا۔ یہ جاگیریں اکثر ریاست کے بڑے عہدوں داروں کو بطور تنخواہ دی جاتی تھیں۔ ان میں سے کچھ موروثی ہوتی تھیں اور کچھ ایسی کہ جب حکمراں چاہے انہیں واپس لے سکتا تھا یا ضبط کر سکتا تھا۔ نظام آف حیدر آباد کی ریاست میں پانچ قسم کی جاگیریں تھیں: خالصہ، جس کا انتظام دیوان کرتا تھا، پائیگاہ کے امراء جن کا شمار بڑے جاگیرداروں میں ہوتا تھا اور انہیں یہ جاگیریں وراثت میں ملی ہوئی تھیں، صرف خاص کی جاگیر، جو نواب کے ذاتی اخراجات کے لئے ہوتی تھی، سمستھان یا وہ قدیم جاگیردار جو نظام سے پہلے دکن میں موجود تھے۔ ان کے علاوہ وہ جاگیریں تھیں جو بطور تنخواہ دی جاتی تھیں۔

دکن کی ریاست میں وہ جاگیردار خاندان اہم تھے جو آصف جاہ کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ انہیں وفاداری اور خدمات کے صلہ میں جاگیریں دی گئیں تھیں۔ دوسرے جاگیردار خاندانوں میں کائستھ تھے جو کہ دفتر مال اور انتظامیہ میں کام کرتے تھے۔ کچھ مراہٹہ اور برہمن خاندان تھے کہ جنہیں جاگیریں ملی ہوئی تھیں، ان کے علاوہ مقامی سرداروں کو خراج کی ادائیگی کی شرط پر زمینیں دی گئی تھیں۔(۲۰)

بڑے جاگیرداروں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں امن وامان قائم رکھیں گے اور ریونیو وصول کریں گے۔ ایک زمانہ میں فوج فوج مہیا کرنا بھی ان کی ذمہ داری تھی جو بعد میں ختم ہو گئی۔ (۲۱) ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی جاگیریں تھیں، جو ایک گاؤں پر مشتمل ہوتی تھیں، ان جاگیروں کا انتظام انتہائی ناقص تھا۔ یہاں پر رعیت پر جو ظلم ہوتا تھا اس کی داد رسی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

دکن میں بڑے جاگیردار صرف ریونیو کی وصولی میں دلچسپی لیتے تھے، اس لئے انہوں نے بڑی دولت اکٹھی کر لی تھی اور اپنی آمدنی کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے بعض چھوٹے راجاؤں سے زیادہ شان سے رہتے تھے۔ مثلاً سر کشن پرشاد کول کی سالانہ آمدنی ۳۲ لاکھ روپے تھی۔ سالار جنگ کی اپنی فوج تھی جو تین ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ لامحدود اختیارات کی وجہ سے یہ جاگیردار انتہائی طاقت ور تھے۔ یہ اپنا دربار منعقد کرتے تھے۔ اور خود کو رعایا کا سرپرست سمجھتے تھے۔ رعایا نظام سے پہلے ان کی وفادار تھی۔ (۲۲) کیونکہ اس کا واسطہ انہیں سے پڑتا تھا۔

یہی صورت حال دوسری ریاستوں کی تھی جہاں حکمرانوں سے نیچے ٹھاکر، سردار اور جاگیردار ہوتے تھے۔ یہ ان ریاستوں میں روایتی کردار ادا کرتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ریاست کے حکمراں کو اپنے قابو میں رکھ کر اپنے اختیارات کو وسیع کریں۔ اس لئے ریاست کے دربار سازشوں کا گڑھ ہوا کرتے تھے۔ ریاستی جاگیرداروں کے اختیارات کا اندازہ گولیار کی ریاست کے ایک بڑے جاگیردار سے لگایا جا سکتا ہے جس کا نام ستول تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے اپنی جاگیر میں عدالتی اختیارات حاصل ہیں۔ اس کی اپنی پولیس ہے کہ جو امن و امان برقرار رکھتی ہے۔ اس کا اپنا تحصیل دار ہے کہ جو ریونیو کی وصولیابی کرتا ہے۔ اس کے علاقے میں اس کے علاوہ کسی اور کو شکار کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے اپنے ماتحت جاگیردار، زمیندار، اور ٹھیکہ دار ہیں۔ ان مراعات کے بدلے میں اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ اس کا لڑکا ریاست کی خدمات سرانجام دے۔ گوالیار میں سرداروں اور جاگیرداروں کے لڑکوں کے لئے ایک اسکول تھا جہاں انہیں میٹرک تک تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے بعد انہیں انتظمی امور اور مالی معاملات میں تربیت دی جاتی تھی۔ کیونکہ ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر یہی لوگ فائز ہوتے تھے۔ (۲۳)

ریاستوں میں جاگیرداروں کا فرض تھا کہ وہ پابندی سے حکمراں کے دربار میں حاضری دیں اور اس کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے تمام خدمات سرانجام دیں۔ اس لئے اکثر جاگیردار اپنی جاگیر کے انتظام سے زیادہ حکمراں کی خوشامد مصروف رہتے تھے اور کسانوں و کاشتکاروں کی حالت بہتر بنانے کا کوئی خیال نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ رعیت اور حکمراں کے درمیان کوئی رابطہ نہ ہو اور اسے ان کی صحیح صورت حال کی خبر نہ ہو۔

برطانوی حکومت ان ریاستوں کے معاملات پر نظر رکھتی تھی اور جہاں حالات زیادہ خراب ہوتے تھے وہاں وہ اپنے افسروں کو عارضیتاً دے کر انتظامات ٹھیک کرا دیتی تھی۔ اس روایتی نظام میں حکمراں اور جاگیرداروں کو جو حیثیت تھی، اس میں ان کے خلاف بغاوت کرنا، یا ان کے خلاف بولنا وفاداری کے خلاف تھا۔ اس لئے کسان و کاشت کار ان کے ظلم و ستم کو برداشت کرتے تھے اور ان کے خلاف حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے تھے۔ اس کی ایک مثال ۱۹۲۰ء کی دہائی میں الور کے راجہ جے سنگھ کی ہے کہ جو اپنی رعایا سے اس

قدر ریونیو اور ٹیکس وصول کرتا تھا کہ اس کی وجہ سے لوگ انتہائی مفلس اور غریب ہو گئے تھے۔ وہ اس قدر ظالم مشہور تھا کہ بوڑھی بیوہ عورتوں کو شیر کے شکار کے لئے بطور چارہ استعمال کرتا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت نہیں کی۔ کیونکہ ایک تو اس میں ان کا جذبہ وفاداری آڑے آتا تھا۔ دوسرے ان میں سیاسی شعور کی کمی تھی۔(۲۴)

لہٰذا ہندوستان میں دونوں قسم کا نظام جاگیرداری تھا۔ برطانوی علاقے میں جاگیردار حکومت کے تسلط میں تھے۔ ریاستوں میں یہ روایتی طور پر حکمراں کے ماتحت تھے۔ مگر اپنے علاقوں میں ان کے اختیارات تھے۔ برطانوی علاقے میں صنعت وحرفت کی ترقی کے ساتھ معاشرہ میں تبدیلی آئی۔ مگر ریاستوں میں تاریخی عمل کو منجمد کر کے رکھا گیا۔ اور بہت کم اصلاحات کی گئیں۔ اس لئے ریاستی ڈھانچہ بغیر تبدیلی کے عمل کے پس ماندہ ہوتا چلا گیا۔ بلکہ جب ریاستی حکمرانوں کو برطانوی حکومت سے تحفظ مل گیا تو انہوں نے اپنی پوری توجہ عیاشی و آرام طلبی پر لگا دی اور اپنی دولت کو اپنی ذاتی خواہشات پر خرچ کیا اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے بہت کم کام ہوئے۔

حوالہ جات

۱۔ ٹالبوت: ۵۴

۲۔ ایضاً: ص ۵۵

۳۔ مٹکاف: ص ۲٦۰

۴۔ Report on the Administrationand Court of word. Lahore. 1894. P.1-2.

۵۔ ٹالبوٹ: ص ۵٦

٦۔ سارا انصاری: ص ۵۷

٦۔ Publication of the Punjab Legislative Department. May 11,1903. P.4

۷۔ مٹکاف: ص ۲۸۸

۸۔ ایضاً: ص ۲۸

۹۔ سارا انصاری: ص ۵٦

۱۰۔ تالبوٹ: ص ۵٦

۱۱۔ تذکرۂ روسائے پنجاب، جلد دوم، ص ۴۱۷

۱۲۔ Proceedings of Legislative Cauncil. May 11, 1903

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ مٹکاف: ص ۳۲۲

۱۵۔ John Pemble: The Raj, the Indian Mutiny and the Kingdom of Oudh. The Harvest Press, 1977. P.252

۱۶۔ مٹکاف: ص۳۴۳

۱۷۔ ایضاً: ص۳۴۳

۱۸۔ ایضاً: ص۳۴۲

۱۹۔ ایضاً: ص ۳۴۶

۲۰۔ U.K. Bawa: The Last Nizam: Penguin India. 1992 P. 12-13

۲۱۔ ایضاً: ص۱۳

۲۲۔ Charles Allen, Lives of the Indian Princes. Arena Londan 1987. P.8,16.

۲۳۔ ایضاً: ص ۱۶۸

۲۴۔ ایضاً: ص۱۶۰

آٹھواں باب

جاگیردارانہ کلچر

''موجودہ زمانہ کے رجحانات اور یکسانیت کے درمیان انہوں نے روایات اور رسومات کو زندہ رکھا ہے۔ یہ ان کی قوت اور توانائی ہے کہ جس نے قدیم نسلوں کی خوبصورتی کو تباہ ہونے سے بچا لیا ہے۔ ان کے پاس وہ بے پناہ صلاحیتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ ہے کہ ان کا تعلق زمین سے ہے۔ اس لئے انہوں نے جاگیردار طبقے کی سرگرمیوں کو زندہ رکھا ہے۔ خصوصیت سے راجپوتانہ کے علاقہ میں وہ ان آداب کے ضامن ہیں کہ جو ہندوستانیوں کے لئے قابل قدر ہیں...... انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے خاندانوں میں شجاعت و عالی ہمتی ختم نہیں ہوئی ہے۔ انہوں نے قدیم ادب آداب اور روایات کو اپنی نجی عوامی زندگی میں برقرار رکھا ہے۔ یہ ہندوستان امراء کی نشانیاں ہیں۔ اگر انہوں نے یہ ختم ہونے دیا تو اس کے نتیجہ میں ہندوستانی معاشرہ چینی کے برتن کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گا۔''

(کرزن: جے پور ۱۹۰۲)

ہر نظام اپنی روایات و اقدار اور ادارے تشکیل دیتا ہے جس کی بنیاد پر ایک نئے کلچر کا ارتقاء ہوتا ہے۔ جاگیردار نے بھی ایک ایسے کلچر کو جنم دیا کہ جس نے اس نظام کے تحفظ میں اس کی پوری پوری مدد کی۔ اس کلچر کی بنیاد معاشرے میں فرق اور امتیاز کو برقرار

رکھنا تھا کیونکہ جب تک جاگیردار طبقہ خود کو دوسروں سے ممتاز نہیں کرتا اس وقت تک اس کے لئے معاشرے میں عزت و وقار قائم کرنا مشکل تھا۔ لہٰذا جاگیرداری کلچر میں ان روایات اور اقدار کو فروغ ملا کہ جنہوں نے عوام اور خواص میں زیادہ سے زیادہ فرق کو قائم کیا۔

خاندان

اس فرق کو سب سے زیادہ خاندان کے ادارہ نے قائم رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ طبقہ اعلیٰ یا جاگیردار طبقہ کے لوگ بنتے نہیں ہیں بلکہ پیدائشی ہوتے ہیں۔ اس کا خون اسے نچلے درجہ کے لوگوں سے بلند کرتا ہے۔ خون کی پاگیزگی اس کلچر میں اس لئے ضروری تھی تا کہ خاندانی اوصاف باقی رہیں اور ان میں ملاوٹ پیدا نہ ہو۔ شریف خاندان خون کی اس پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے گمنام خاندانوں میں شادی بیاہ نہیں کرتے تھے۔ اس وجہ سے خاندان کی پاکیزگی کا تعلق شادی سے ہو جاتا تھا۔ اگر مرد اور عورت دونوں ہم مرتبہ خاندان سے ہوں تو ان کی اولاد نجیب الطرفین ہوتی تھی۔ اگر عورت کا تعلق نچلے درجہ سے ہوتا تو اس کی اولاد کا سماجی رتبہ بھی کم ہو جاتا تھا۔

خاندان کی حیثیت اس وجہ سے بھی تھی کیونکہ جاگیردارانہ نظام فرد کی شناخت اس کے خاندان سے ہوتی تھی۔ اس تعلق سے ان کو قانونی حیثیت ملتی تھی اور اس کا جائیداد اور دیگر مراعات پر حق ہوتا تھا۔ اس کی بنیاد پر اسے حکومت کے اعلیٰ عہدے ملتے تھے اور کچھ معاشروں میں خاص خاص قسم کے فرائض یا چند مخصوص خاندانوں کو سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ ان باتوں کی وجہ سے یہ مراعات یافتہ خاندان اس بات کی کوشش کرتے کہ ان کا دائرہ وسیع نہ ہو بلکہ محدود رہے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی مراعات میں کوئی دوسرا شریک ہو۔ خاندان کی قانونی حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے یہ رواج تھا کہ باقاعدہ سے شجرے رکھے جائیں۔ جو اور زیادہ پرعزم ہوتے تھے وہ اپنی خاندانی تاریخیں بھی لکھواتے تھے کہ جن میں ان کے آباؤ اجداد کے کارنامے اور ان کی عظمت کے تذکرے ہوتے تھے۔ ان کی محفلوں میں داستان گو اور بھاٹ ان قصوں کو سنایا کرتے تھے کہ جن میں ان کے خاندان کی بڑائی کا ذکر ہوتا تھا تا کہ سامعین پر ان کا رعب بیٹھے۔

اس ماحول میں جب بچے پرورش پاتے تھے تو ان میں اپنے خاندان سے لگاؤ

اور فخر ہو جاتا تھا۔ ان میں یہ خیال تقویت پا جاتا تھا کہ دوسرے خاندان اس کے مقابلہ میں کم تر اور ادنیٰ ہیں۔ اس لئے نئے خاندان کو جو اپنے خاندانی شجرے اور تاریخی دستاویزات نہیں رکھتے تھے ان کو قدیم خاندان اپنے برابر نہیں مانتے تھے۔ مثلاً فرانس میں قدیم امراء ''امراء شمشیر'' کہلاتے تھے۔ یہ رتبہ انہوں نے اپنی جنگ جویانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر حاصل کیا تھا اس لئے وہ ''امراء جبہ'' کو جن کا تعلق انتظامیہ سے تھا اپنے سے کم تر سمجھتے تھے۔

قرون وسطیٰ میں معاشرے میں بہت عزت کا ذریعہ جنگ جویانہ اوصاف تھے، علم و ذہانت نہیں۔ اس لئے امراء کے خاندانوں میں شمشیر زنی نیزہ بازی اور گھڑ سواری لازمی ہوتی تھی۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جنگی مہارت انسان کو سخت اور مقابلہ کے لائق بناتی ہے جبکہ علم و ادب فرد کو کمزور و بزدل بناتا ہے۔ اسی بنیاد پر موت کو خوش آمدید کہنا اور زندگی سے پار کرنا شجاعت کے دائرہ میں نہیں آتے تھے۔ شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر اس جاگیردارانہ ذہنیت کی پیداوار ہے کہ جہاں جسمانی طاقت کو ذہنی طاقت سے برتر و افضل سمجھا جاتا تھا۔

خاندان کی اس اہمیت کی وجہ سے ہر فرد کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ خاندان کی روایات کا تحفظ کرے اور انہیں ختم نہ ہونے دے۔ کیونکہ ان روایات کے خاتمہ کا مطلب خود اس خاندان کے افراد کا خاتمہ تھا۔ اس لئے خاندانی عظمت، وقار، عزت، اور بڑائی کے تصورات پیدا ہوئے جس کے سحر میں خاندان کے لوگ گرفتار رہتے تھے، اور دوسروں کو خود سے کم تر سمجھ کر رعونت و غرور کو اختیار کر لیتے تھے۔ جب قدیمی خاندان اپنے مادی وسائل کھو دیتے تھے تو اس کے باوجود ان کی کچھ نسلیں خاندان کی روایات پر اپنی حیثیت کو برقرار رکھتی تھیں اور انہیں ختم ہونے میں خاصہ وقت لگتا تھا۔

اکثر مورخین نے معاشرے کے زوال کو بھی خاندان کے زوال سے دیکھا ہے اور اس پر نوحہ کناں ہوئے ہیں کہ قدیم خاندان کس طرح سے تباہ ہوئے اور اپنی عزت و آبرو کھو بیٹھے۔ ان کے لئے خاندانوں کی تباہی معاشرے کی تباہی ہے۔

معاشرے میں جب خاندان کو اس قدر اہمیت ملی تو اس کی وجہ سے عورت کی

سماجی حیثیت گر گئی۔ کیونکہ خاندان کی پاکیزگی اور شرافت کو برقرار رکھنے کی سب سے بڑی ذمہ داری عورت کی ہو گئی۔ اس کا کام تھا کہ وہ خاندان کی بقا کے لئے وارث پیدا کرے۔ اس کے لئے باعفت، عصمت ہونا لازمی ہو گیا۔ اگر اس سے ذرا بھی جنسی بے راہ روی ہو جاتی تو اس سے خون کی پاکیزگی ختم ہو جاتی تھی۔ اس لئے جاگیردارانہ معاشرے میں عورت کی سب سے زیادہ حفاظت کی جاتی تھی۔ اسے حویلیوں اور اونچی اونچی دیواروں کے درمیان محفوظ رکھا جاتا تھا۔ ملازموں کی ایک فوج اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھتی تھی۔ خاندان میں اس عورت کی زیادہ عزت تھی کہ جو وارث پیدا کرتی تھی۔ لڑکیوں کی اس لئے قدر نہیں تھی کہ وہ خاندان کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں کرتی تھیں۔ اس لئے اکثر یا تو لڑکیوں کو تعلقات بہتر بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور یا ان کی شادی ہی نہیں کی جاتی تھی(۱) جبکہ مرد حضرات کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔

جاگیردار گھرانوں میں بچوں کی پرورش ملازموں کے ہاتھوں ہوتی تھی۔ اس لئے ماں باپ سے ان کا واسطہ کم ہی ہوتا تھا۔ انگریزی عہد میں بڑے گھرانوں میں انگریز آیائیں رکھنے کا رواج ہو گیا تھا۔ بچے جیسے ہی بڑے ہوتے یہ خود کو ملازموں کے درمیان پاتے تھے جو ان کی ہر خواہش پوری کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اس لئے بچوں میں ابتداء ہی سے تحکمانہ رویہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ ملازموں کو ان کی عمر یا بزرگی کا خیال کئے بغیر ان سے رعونت سے پیش آتے۔ اس وجہ سے عام لوگوں کو شروع ہی سے حقیر سمجھا جانے لگتا تھا اور بچوں کی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں رہتی تھی۔

اس کے علاوہ ملازموں اور خادموں کی ایک فوج ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتی تھی، اس لئے یہ تکلیف، غربت و مفلسی، اور پریشان سے واقف ہی نہیں ہوتے تھے اور یہی سمجھتے تھے کہ یہ سہولتیں اور آسائشیں ان کا حق ہیں۔

ان میں ابتداء ہی سے یہ بات آ جاتی تھی کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کے ارد گرد کئی ملازم ہیں جو ان کے اشارہ پر ان کا ہر کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس وجہ سے ہاتھ سے کام کرنا ذلت کا باعث تھا کیونکہ یہ ملازم کرتے

تھے۔ لہٰذا خاندان کی ان روایات میں پرورش پا کر بچے ابتداء ہی سے خود کو دوسروں سے علیحدہ سمجھتے تھے اور یہ خاندانی فخر ان کے کردار کا ایک حصہ بن جاتا تھا۔

عزت

خاندان سے جڑا ہوا عزت کا تصور تھا۔ خاندانی فرد اس بات کو اپنا حق سمجھتا تھا کہ اس کی معاشرہ میں عزت ہونی چاہئے اور اس سے کم رتبہ اور درجہ کے جو لوگ ہیں وہ اس کا احترام کریں۔ اس عزت کا اظہار ادب و آداب کی رسومات میں ہوتا تھا کہ جب وہ باہر نکلے اور لوگوں کے درمیان جائے تو لوگ اس کے آگے جھکیں، سلام و آداب کریں۔ اور وہ ان کے آداب یا سلام کا جواب سر کو ہلا کر دے، کم درجے کے لوگوں سے وہ براہ راست مخاطب نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سے اپنے ملازموں کے ذریعہ بات کرتا تھا۔

طبقاتی معاشرے میں چونکہ فرد کا احترام اس کے رتبہ سے ہے، اس لئے اس رتبہ کی حفاظت کرنا عزت کے دائرہ میں آتا تھا۔ اگر کوئی اس کے رتبہ کو گرانے کوشش کرتا، اس کے ساتھ بے ادبی سے گفتگو کرتا، تو یہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے جہاں عزت کا سوال آجاتا تو اس کی خاطر وہ ہر چیز داؤ پر لگا دیتا تھا۔

اس عزت کو بچانے کی خاطر جاگیرداروں میں باہمی مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ اگر کسی نے دعوت میں سو مہمان بلائے تھے تو دوسرا اس کے مقابلے میں پانچ سو بلاتا تھا۔ اسی عزت کے مقابلہ میں یہ صدقہ و خیرات کرتے تھے، عمارتیں بنواتے تھے، فلاح و بہبود کے کام کرتے تھے تاکہ ان کے ہمسروں میں ان کی عزت رہے، اور وہ دوسروں کے مقابلہ میں کم تر نہ رہ جائیں۔ اس عزت کی خاطر یہ خاندانی روایات کو برقرار رکھتے تھے۔ اگر ان کے اعمال و کردار سے خاندان کی بے عزتی ہو جاتی تھی تو یہ ان کے لئے سب سے زیادہ شرم کی بات تھی اس لئے خاندانی عزت ان کو ایک دائرہ میں محدود رکھتی تھی۔

وفاداری

جاگیردارانہ معاشرہ کی ایک اہم روایت وفاداری کی تھی کیونکہ اس کے بغیر جاگیردارانہ ڈھانچہ اپنے آپ کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ وفاداری کی یہ روایت طبقاتی

معاشرے میں خاندان کی سطح سے شروع ہوتی تھی کہ جس میں باپ گھرانہ کا سربراہ ہوتا تھا۔ اور اس حیثیت سے تمام گھر والوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اس کا حکم مانیں۔ اس کی اطاعت کریں۔ اور اس سے وفادار رہیں۔ دوسرا مرحلہ برادری کا ہوتا تھا کہ جس میں سردار کو یہ حق تھا کہ وہ اہل برادری سے وفاداری کا طالب ہو۔ گاؤں میں کسان اپنے زمیندار اور زمیندار جاگیردار کا وفادار ہوتا تھا۔

خیال کیا جاتا تھا کہ سطح بہ سطح وفاداری کے اس جذبہ سے لوگوں میں اطاعت و تابعہ داری کے جذبات پیدا ہوتے تھے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں مختلف طبقات اپنے استحکام کو برقرار رکھتے تھے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں طبقاتی شعور پیدا نہیں ہوتا تھا اور امیر و غریب کے درمیان تصادم نہیں تھا۔ طبقاتی شعور کی کمی کی وجہ سے کسی کو امراء یا جاگیردار طبقہ سے نفرت نہیں ہوتی تھی بلکہ وفاداری کا جذبہ انہیں ان اعلیٰ طبقوں سے جوڑ دیتا تھا کہ وہ ان کی شان و شوکت، دولت، عزت اور وقار کو اپنا سمجھنے لگتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔

وفاداری کے اس جذبے کی وجہ سے وہ اپنے مالک اور آقا میں کسی قسم کی برائی نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کی برائیاں بھی انہیں خوبیاں نظر آتی تھیں۔ اگر وہ ان کے ساتھ ناانصافی کرتا، ان کو سزا دیتا، برا بھلا کہتا اور ان کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتا تب بھی یہ سب کچھ بغیر کسی غم و غصہ سے برداشت کرتے اور اس پر کسی قسم کی تنقید نہیں کرتے تھے۔

وفادری کے ان جذبات کا تعلق ایک طرف تو ان مادی ضروریات کی وجہ سے تھا کہ جن کے لئے یہ طبقہ اعلیٰ پر انحصار کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس سے متعلق مذہبی و اخلاقی قدروں کے ذریعہ لوگوں میں اس جذبہ کو تقویت دی جاتی تھی۔ ہندوستان میں وفاداری کو نمک حلالی کہا جاتا تھا۔ یعنی جس کا نمک کھایا، یا جس نے اسے کھانے کے وسائل مہیا کئے ہوں، اس کا وفادار رہنا اعلی اخلاقی قدر تھی۔ کیونکہ کھانا فراہم کرنا، یا ملازمت کے ذریعہ کھانے کا حصول، اس لئے انتہائی اہم تھا کیونکہ اس سے زندگی کی بقا تھی۔ چونکہ جاگیردار طبقہ اپنے ماتحتوں کو رزق فراہم کرتا تھا اور پیداواری ذرائع اس کے پاس تھے۔ اس لئے وہ

اپنے ماتحتوں سے وفاداری کا تقاضہ کر سکتا تھا۔

ایک تو وفادری کا جذبہ ماحول کی پیداوار تھا مگر بعض حالات میں باقعدہ سے عہد کے ذریعہ بھی اسے مضبوط کیا جاتا تھا۔ جیسے کہ راجپوتوں میں یہ دستور تھا کہ وہ بادشاہ یا آقا کے سامنے یہ عہد کرتے تھے کہ "میں تمہارا بچہ ہوں۔ میرا سر اور تلوار تمہارے لئے ہیں۔ میری خدمات تمہارے حکم کی منتظر ہیں۔" (۲) جب وہ خود کو بچہ کہتا تھا تو وہ اپنے آقا کو باپ کے برابر مانتا تھا کہ جس کی وفاداری خاندان کے ہر فرد کے لازمی ہوتی تھی۔

جاپان میں سمورائی طبقہ لارڈ کے لئے ہر وقت قربان ہونے پر تیار رہتا تھا۔ اس کی خاطر وہ اپنی بیوی وبچوں کو بھی قتل کر دیتا تھا۔ وفاداری کی یہ جڑیں سمورائی طبقہ میں وراثت میں چلی آتی تھیں اور ان کے لئے قابل فخر بن گئیں تھیں۔ یہاں تک کہ اپنے آقا کے مرنے پر خود کو بھی مار لیتے تھے تاکہ وہ اگلی دنیا میں اکیلا نہیں رہے۔ ان میں خودکشی یا ہارا کیری کی رسم و وفاداری کا اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔

یورپ میں فیوڈل لارڈ اور ویسل (Vassal) کے درمیان وفاداری کا عہد لیا جاتا تھا۔ اس وقت تک زبان عہد کی اس لئے اہمیت تھی کہ اکثر فیوڈل لارڈ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ پھر یہ عہد سب کے سامنے لیا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس کو تقدس مل جاتا تھا اور بدعہدی کی صورت میں وہ شخص اپنا سماجی رتبہ کھو دیتا تھا۔

غداری کرنا اور مالک سے بدعہدی کرنا، معاشرہ میں سب سے بڑی برائی سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے نمک حرام کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کی ایک دلچسپ مثال ہندوستان کی تاریخ میں ہے کہ جب ہمایوں نے گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ (۱۵۳۷ء-۱۵۲۶ء) کو شکست دی تو اس کے ایک جنرل رومی خان نے اس کے ساتھ غداری کی اور ہمایوں سے مل گیا۔ اس پر ہر طرف سے اسے رومی نمک حرام کہا گیا۔ یہ سن سن کر ایک طاطا بھی یہ الفاظ سیکھ گیا اور وہ بھی زور زور سے "رومی خاں نمک حرام" کہتا رہتا تھا۔ میراۃ سکندری کے مصنف نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ: "جب ہمایوں نے دربار منعقد کیا اور اس میں رومی خاں کو انعام و اکرام دینے کے لئے بلایا تو اسے دربار میں آتا دیکھ کر طوطے نے زور سے بولنا شروع کر دیا نمک حرام رومی خاں، غدار رومی خاں۔ اس پر ہمایوں

نے رومی خاں سے مخاطب ہو کر کہا کہ: ''اگر کوئی آدمی یہ الفاظ کہتا تو میں حکم دیتا کہ اس کی زبان کھینچ لی جائے، مگر میں اس جانور کا کیا کر سکتا ہوں'' (۳)

اس لئے ایک طرف تو غداری کو برا سمجھا جاتا تھا، مگر دوسری طرف غداری ہی کے ذریعہ نئی سیاسی طاقت یا خاندان اپنے حمایتی پیدا کرتا تھا اور اس کے عوض انہیں انعام و اکرام اور تحفے دیتا تھا۔ اس لئے ہم پوری تاریخ میں جاگیردار طبقے کی وفاداریاں بدلتے دیکھتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ غداری کی جاتی تھی تو یہ اسے برا کہتے تھے۔ مگر جب یہ دوسروں کے ساتھ غداری کرتے تھے تو اس کا جواز پیش کر کے اسے اچھا کہتے تھے۔

سرپرست، امتیازات، ومشاغل

وفاداری کے ان جذبات کو قائم رکھنے میں احساسی سر پرستی کو بڑا دخل تھا۔ جاگیردار اپنے ماتحتوں کو اپنی رعیت سمجھتا تھا اس لئے وہ یہ اپنا فرض سمجھتا تھا کہ ان کی حفاظت کرے۔ اس کی حیثیت اپنی رعیت کے لئے سر پرست کی ہوتی تھی۔ اس حیثیت سے وہ ان کے جھگڑوں کو نمٹاتا تھا۔ ان کے درمیان فیصلے کرتا تھا، اور اگر ضرورت پڑتی تھی ان کی دشواریوں اور مشکلات کو حکام بالا تک پہنچاتا تھا۔

سرپرست کی حیثیت سے وہ اپنی جاگیر میں مقام رکھتا تھا۔ وہ ایسے علامتی اقدام کرتا تھا کہ جن سے وہ اپنی رعیت اور ماتحتوں کو متاثر کرے۔ اس کی رہائش سب سے علیحدہ ہوتی تھی۔ فرانس میں ان کی یہ رہائش گاہ تو شاتو (Chateau) اور انگلستان میں مینور (Manor) کہلاتی تھیں۔ ہندوستان میں جاگیردار اور زمیندار، حویلیاں گڑھیاں اور قلعے تعمیر کراتے تھے۔ لہٰذا ان کی رہائش گاہ اپنی انفرادیت کی وجہ سے طاقت، قوت اور امارت کی نشانی ہوتی تھی۔ اس کے ماتحت ان شاندار رہائش گاہوں کو دیکھ کر ان سے مرعوب ہوتے تھے کیونکہ اس کی شخصیت ان عمارتوں سے مل جاتی تھی، جو اتنی ہی بلند و بالا، مستحکم، اور نا قابل تسخیر ہوتی تھی۔ جب وہ ان سے ملاقات کے لئے جاتے تھے تو ان کے بلند و بالا دروازے چوڑے صحن، اور وسیع دالان انہیں مرعوب کر دیتے تھے۔

عام لوگ ان رہائش گاہوں سے اس لئے بھی ڈرتے تھے کیونکہ جاگیر کے منتظمین بھی وہیں ہوتے تھے، جو انہیں پوچھ گچھ کے لئے بلاتے رہتے تھے۔ اگر ضرورت پڑتی تھی

تو سزائیں بھی یہیں دی جاتی تھیں۔ (۴)

بادشاہ کی طرز پر جاگیردار بھی اپنا دربار منعقد کیا کرتا تھا اور یہاں بھی تمام ادب آداب اور رسومات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ نشت و برخاست کے اصول مقرر تھے۔ جب لوگ سامنے آتے تو ہاتھ جوڑ کر آداب کرتے۔ اس کے پیر چھوتے، اس کے سامنے فرش پر بیٹھتے اور آہستہ آہستہ بات کرتے، اگر ضرورت ہوتی تو اپنا مدعا بیان کرتے ورنہ اسی طرح سے ہاتھ جوڑ کر خاموشی سے چلے جاتے تھے۔ جاگیردار ان کی وفاداری اور خدمات کے صلہ میں انہیں انعام و اکرام بھی دیتا تھا۔

اس قسم کے دربار میں مجلسیں ایک جاگیردار کے لئے ضروری تھیں کیونکہ انہیں کے ذریعہ وہ بحیثیت سرپرست کے اپنی رعایا کے سامنے آتا تھا۔ روبرو ہونے سے وفاداری کے جذبات کو تقویت ملتی تھی اور تجدید وفاداری ہوتی تھی۔

لوگوں میں مقبول اور ہر دل عزیز ہونے کی غرض سے جاگیردار اپنے علاقوں میں مسجدیں، مندر، تالاب، باغات اور اپنے آباؤ اجداد کے مقبرے سمادھیاں تعمیر کراتے تھے۔ ان عمارتوں کی تعمیر سے دیہات کے ماحول میں تبدیلی آ جاتی تھی۔ یہ لوگوں کے لئے ایسی جگہیں بن جاتی تھیں کہ جہاں وہ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ یہ اسکول اور پاٹھ شالے بھی گھولتے تھے کہ جہاں بچوں کو مذہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ مسجدوں کے مولوی اور پاٹھ شالاؤں کے برہمن ان کے تنخواہ دار ہوتے تھے اس لئے ان کی خوشامد کرتے تھے اور ان کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے۔ مثلاً اجودھیا کا راجہ مندروں کی دیکھا بھال کرنے اور زائرین کی مدد کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہ سنیاسیوں اور پنڈتوں کی بھی سرپرستی کرتا تھا۔ اس لئے لوگوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ (۵)

سماجی اور مذہبی تہواروں اور تقریبات میں یہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ ان کو موقع ملتا تھا کہ اپنی شخصیت کو ابھاریں۔ یہ اپنی مذہبت کو لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے برہمنوں اور مولویوں کو وظیفے دیتے تھے۔ پھر خیرات و صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کچھ جاگیردار تو جب باہر نکلتے تھے تو راستے میں پیسے لٹاتے جاتے تھے۔ اودھ کے تعلقدار راجہ محمود آباد نے اپنی جاگیر میں امام باڑہ بنوایا تھا جہاں مرثیہ خوانی، سوز خوانی، اور مجلسیں ہوتی تھیں۔ یہ شعیہ ذاکروں کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ کربلا کی

زیارت کو جانا اور وہاں عالموں کی مدد کے لئے پیسے بھیجنا ان کی روایت تھی۔(٦)

ان کے مذہبی لگاؤ اور اس کے اظہار سے ان کی رعیت میں ان کے لئے نیک جذبات پیدا ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں مذہبی ہونا اس بات کی علامت تھی کہ ایسا شخص نیک اور باکردار ہے۔ چونکہ جاگیردار، اپنی دولت کی وجہ سے مذہبی رسومات کو شاندار طریقہ سے ادا کرتے تھے جو کہ عام لوگوں کی طاقت سے باہر تھا، اس لئے وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنا مذہبی رتبہ بلند کر لیتے تھے۔ اس طرح وہ سماجی اور مذہبی اعتبار سے قابل اعتبار بن جاتے تھے۔

لوگوں میں مقبول ہونے کے لئے دعوتیں دینا اور کھانا کھلانا بھی ان کی ایک روایت تھی، دعوتوں کے یہ مواقع شادی بیاہ، پیدائش، موت اور تہواروں پر ملتے تھے۔ چونکہ کھانے کا تعلق ان کے سماجی رتبہ سے ہوتا تھا اس لئے کوشش کی جاتی تھی کہ ان دعوتوں میں فیاضی وسخاوت کا کھل کر مظاہرہ ہو اور لوگ ان کی دعوتوں کو آنے والے وقتوں تک یاد رکھیں۔

سرپرست کے لئے فیاضی ہونا بھی ضروری تھا۔ فیاضی شخص کی ایک ایسے معاشرے میں زیادہ عزت ہوتی تھی کہ جہاں حد سے زیادہ مفلسی اور غربت ہو۔ اگر وہ صدقے، خیرات اور دعوتوں کے ذریعہ روپیہ خرچ کرتا تھا تو اس کی فیاضی وسخاوت کے چرچے دور دور تک پھیل جاتے تھے۔ اپنی اس خوبی کی وجہ سے وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتا تھا۔ لوگ ان سے امید کرنے لگتے تھے کہ وہ ان مدد کرے گا۔ برے وقت میں ان کا ساتھ دے گا۔ ان کی مالی مشکلات کو حل کرے گا۔ اس کی وجہ سے اس کی شخصیت بے آسراؤں کے لئے سہارا اور غریبوں ومفلسوں کے لئے امید بن جاتی تھی۔

یہ اپنے علاقے میں آرٹ و ادب کے بھی سرپرستی کرتے تھے۔ مشاعروں، قوالیوں اور رقص وموسیقی کی محفلوں کی وجہ سے قصبوں اور گاؤں کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی آجاتی تھی۔

سرپرست کے لئے ایک طرف یہ ضروری تھا کہ وہ لوگوں کی پہنچ میں ہو، تاکہ اس کے اور رعیت کے درمیان تعلق و رابطہ رہے۔ لیکن دوسری طرف اس کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ لوگوں سے دور رہے اور ان کے بہت قریب نہ ہو۔ زیادہ قریب ہونے سے اس کی شخصیت کا اثر زائل ہو جاتا تھا۔ دوری کی وجہ سے اس کی شخصیت میں پر

اسراریت رہتی تھی اور اس کے بارے میں کئی باتیں لوگوں میں پھیل جاتی تھیں۔ یہ اس کی شخصیت کو دلکش اور متاثر کن بنا دیتی تھی۔ شخصیت کے اس اثر کو باقی رکھنے کے لئے وہ لوگوں سے براہ راست کم ہی بات کرتا تھا۔ اگر وہ کسی سے بات کرتا بھی تو یہ انتہائی مختصر ہوتی اور وہ توقع یہ کرتا تھا کہ اس کے سوالات کے جوابات بھی مختصر ہوں۔ عوام یا رعیت سے ملاقات کے لئے مخصوص مواقع ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ ان سے دور رہا کرتا تھا۔

جب وہ اپنی حویلی سے نکلتا تھا تو ہمیشہ سواری پر ہوتا تھا ۔ ہاتھی، گھوڑا۔ پالکی، یا گاڑی، بعد مین کاروں نے یہ جگہ لے لی۔ پیدل چلنا اس کی حیثیت کے مطابق نہیں تھا۔ کیونکہ جب وہ پیدل چلتا تو اس میں اور عام آدمی میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ سواری پر ہوتا تھا سواری کی وجہ سے وہ زمین سے بلند ہو جاتا تھا۔ سواری کی اس اہمیت کی وجہ سے عام لوگوں کو ہاتھی یا پالکی کی سواری کی اجازت نہیں تھی۔ یورپ میں قرون وسطی میں نائٹ گھوڑے پر سوار ہو کر لڑتے تھے جبکہ عام لوگوں کو پیدل فوجی کی حیثیت سے لڑنا پڑتا تھا۔

جاگیردار کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے پاس ملازمین کی ایک بڑی تعداد رہے۔ ملازموں کی تعداد اس کے درجہ اور رتبہ کو بڑھاتی تھی۔ کیونکہ ہر کام کے لئے ملازمین ہوا کرتے تھے۔ جو اس کے اشاروں پر دوڑتے تھے۔ اس لئے ان کی موجودگی سے جاگیردار کو اپنی طاقت اور اختیارات کا احساس رہتا تھا۔

ملازموں کی ضرورت کی وجہ سے خاندانی ملازمین کا طبقہ وجود میں آ گیا تھا۔ کیونکہ ان کا تعلق براہ راست جاگیردار سے ہوتا تھا اس لئے یہ خود کو دوسروں سے ممتاز سمجھتے تھے۔ یہی لوگ اس کے مزاج میں دخل دے سکتے تھے، اور اس سے وہ بات کر سکتے تھے کہ جو دوسروں کے لئے منع تھی۔ ان ملازمین کی اہمیت اس وجہ سے بھی تھی کہ انہیں کے ذریعہ وہ لوگوں تک اپنے احکامات پہنچاتا تھا اور اپنی ناراضگی یا خوشنودی کا اظہار کرتا تھا۔

اس کے لئے فوجیوں کا ایک مسلح دستہ بھی ضروری تھا تاکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ اس کے پاس طاقت ہے اور وہ اسے استعمال کر سکتا ہے۔

جاگیردار اپنی رعیت سے یہ توقع کرتا تھا کہ جب وہ اس کے سامنے آئیں اور اس سے مخاطب ہوں تو اسے باوقار خطابات کے ذریعہ اپنی طرف متوجہ کریں۔ جیسے حضور، جناب عالی، عالی مرتبت، اور مہاباپ وغیرہ۔ اس کے اصلی نام سے اسے کوئی مخاطب نہیں

کر سکتا تھا۔

قیمتی لباس بھی اس کی شخصیت کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے یہ ایسا لباس پہنتے تھے کہ جو انہیں عام لوگوں سے ممتاز کرے۔ خاص موقعوں پر ان کا لباس اس قدر قیمتی ہوتا تھا کہ لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی تھیں۔ مثلاً راجہ صاحب محمود آباد جب کسی تقریب میں جاتے تو سونے و چاندی کے تاروں سے مزین لباس پہنتے اور ایسے جوتے کہ جن پر نادر موتی منقش ہوتے تھے۔ اس کا مقصد اپنی دولت کا اظہار تھا اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنے ہمسروں کو بھی متاثر کرنا چاہتے تھے۔ (۷) بعد میں ان لوگوں میں یورپی لباس کا بھی فیشن ہو گیا تھا۔

ان کے گھروں میں ایک زمانہ تک تو روایتی فرنیچر ہوتا تھا۔ مگر جب یورپی ادب آداب آئے تو قیمتی یوربی فرنیچر بمبئی و کلکتہ سے منگایا جاتا تھا اور اس سے اپنی حویلیوں کو سجایا جاتا تھا۔

کچھ جاگیردار ایسے تھے جو عجیب وغریب باتیں یا عادتیں اختیار کر کے خود کو ممتاز کرنے کی کوشش کرتے تھے، غیر معمول عادات اختیار کرنے کی دو وجوہات تھیں: اول، وہ لوگ کہ جو اپنی روزمرہ کی زندگی اور معمولات سے تنگ آ جاتے تھے اور زندگی میں تبدیلی کی غرض سے ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ جو دوسروں کو عجیب لگتی تھیں۔ دوسرے وہ عجیب عادتیں اس لئے اختیار کرتے تھے کیونکہ ان کے پاس اس قدر وسائل ہوتے تھے کہ وہ اپنا وقت اور روپیہ پیسہ ان عادتوں میں لگا سکتے تھے۔ جبکہ ایک عام آدمی کے لئے یہ ناممکن ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے ان کے بارے میں سوچ بھی سکے۔ مثلاً مارک بلوخ نے فرانس کے کچھ جاگیرداروں کو ایسی ہی عجیب باتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک جاگیردار کی یہ عادت تھی کہ وہ چاندی کے سکے کھیتوں میں بطور بیج ڈالا کرتا تھا۔ ایک اور صاحب شمعون پر اپنا کھانا پکواتے تھے۔ ایک تیسرے صاحب نے ایک بار تیس گھوڑوں کو زندہ جلوا دیا۔ (۸)

اودھ کے تعلقداروں میں پرتاب بہادر اپنے کپڑے دوسروں سے علیحدہ دھلوایا کرتے تھے۔ محمود آباد کے راجہ علی احمد کو خوشبوؤں کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے وہ بڑھیا سے بڑھیا عطر خریدتے تھے۔ جب اس سے بھی مطمئن نہیں ہوتے تھے تو اپنا عطر خود کشید کرایا

کرتے تھے۔ اسی طرح سے اگر کسی جاگیردار کو گھوڑوں کا شوق ہوتا تھا تو وہ اپنے اصطبل کو گھوڑوں سے بھر دیتا تھا۔ جب بیسوی صدی کے شروع میں کاریں آئیں تو پھر مرسیڈیز اور رولس رائس نے گھوڑوں کی جگہ لے لی۔

مشاغل

جاگیردار طبقے میں عادات و اطوار کی بنا پر کئی قسم کی شخصیات تھیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو خود کو بہت مصروف رکھتے تھے۔ جائیداد کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتے تھے، بچوں کی تعلیم کے بارے میں فکر کرتے تھے اور وقت کی انتہائی پابندی کرتے تھے۔ ساتھ ہی میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو انتہائی سست و کاہل اور وقت کو ضائع کرنے والے تھے، ان کا سارا وقت رقص و سرور، شراب نوشی و عورتوں کی صحبت میں گزرتا تھا۔ وہ تعلیم کو اس لئے برا سمجھتے تھے کہ ان کے لئے یہ محض ملازمت کے حصول کا ذریعہ تھی۔ چونکہ یہ ان پڑھ رہتے تھے اس لئے ان کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر ان کے ملازمین اور منتظمین انہیں لوٹنے میں مصروف رہتے تھے۔ ایسے خاندان اپنی نا اہلی کی وجہ سے جلد زوال پذیر ہو گئے۔

عام طور سے جاگیرداروں کا سب محبوب مشغلہ شکار ہوتا تھا۔ کیونکہ شکار میں انہیں وہی لذت ملتی تھی کہ جو میدان جنگ میں ہوتی تھی۔ گھوڑے پر سوار شکار کا تعاقب اور اس میں کامیابی انہیں احساس تسکین دیتی تھی۔ شکار ان کی طاقت کے اظہار کا ایک ذریعہ بھی تھا کہ جب گھوڑے پر سوار ہو کر مسلح دستہ کے ساتھ شکار پر جاتے تو ان کے کسان ان سے مرعوب ہوتے تھے۔

شکار کو جاگیرداروں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا اور عام لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ شکار کریں۔ انگلستان میں عام لوگوں کے لئے سخت قوانین تھے جو گیمز لاء کے نام سے مشہور تھے، اگر عام کسان شکار کرتے ہوئے پکڑے جاتے تو انہیں سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شکار کی مہم شکاری میں اعتماد کا احساس پیدا کرتی تھی اور شکار کو مارنے کے بعد اس میں فتح مندی کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔ اس لئے اس ڈر سے کہ یہ جذبات کہیں انہیں بغاوت پر آمادہ نہیں کر دیں، عام لوگوں کو شکار کی ممانعت تھی۔

برطانوی عہد میں بڑے بڑے راجہ و جاگیردار انگریز افسروں کو خصوصی طور پر شکار کھلایا کرتے تھے۔

احساس فتح کے اس اظہار کو اس طرح سے ظاہر کرتے تھے کہ جانوروں میں بھس بھر کر انہیں اپنی حویلیوں اور گھروں کی دیواروں پر لٹکا دیتے تھے تاکہ دیکھنے والا ان سے متاثر ہو۔

ان کے دوسرے مشاغل میں کتے پالنا بھی اہم تھا۔ کتوں کو پالنے میں جو زیادہ اہم وجہ تھی وہ ایک تو اس کی وفاداری کہ جس کی جاگیردارانہ معاشرے میں بڑی قدر تھی۔ پھر کتوں کے ذریعے اپنی رعیت کو ڈرانا بھی مقصود ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ جانوروں کے درمیان لڑائیاں بھی ان کے مشاغل تھے۔ کیونکہ یہ لڑائیاں ان کی جنگ کی عادتوں کو تسکین دیتی تھیں۔ جانوروں کی یہ لڑائیاں جس قدر خوں ریز و پرتشدد ہوتیں، اسی قدر وہ ان کے جوش و جذبہ کی تسکین کرتی تھیں۔ ان کے مشاغل میں طوائف بازی کی بھی اہمیت تھی۔ جاگیردارانہ کلچر میں طوائف کا سماجی درجہ اس لئے بڑھ جاتا تھا کیونکہ بیویوں کی حیثیت صرف وارث پیدا کرنے والی کی رہ جاتی تھی، وہ اس کی زندگی میں برابر کی شریک نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس کی عزت تھی کہ حویلی کی چار دیواری میں محفوظ رکھی جائے۔ اس کے مقابلہ میں طوائف کا رتبہ اس لئے بڑھ جاتا تھا کیونکہ وہ حویلی کی قیدی نہیں تھی، بلکہ آزاد، بے باک اور چنچل عورت تھی، جو رقص، موسیقی، شعر و شاعری اور ادب میں ماہر ہوا کرتی تھی، جس کی محبت میں ذہنی سکون ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جاگیردارانہ کلچر میں طوائف کا کوٹھا تہذیب و ثقافت کا مرکز بن گیا۔ یہاں امراء و جاگیردار کھلے ماحول میں عورتوں کی محفل میں لطف اٹھاتے تھے۔ طوائفوں کی دلچسپی ان کی دولت سے ہوتی تھی، اس لئے وہ اپنے نازونخروں سے اس کی دولت کو ہتھیاتی تھی۔ چنانچہ طوائف بازی سے اس مشغلہ میں جاگیردار اپنی دولت لٹا کر دیوالیہ ہو جاتے تھے۔ ان رشتوں کی وجہ سے قتل بھی ہوتے تھے اور مقدموں میں پھنس جاتے تھے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات میں ایک واقع پنجاب کے ایک بڑے جاگیردار نواب محمد نواز خاں آف ڈب کلاں کا ہے کہ جس پر ایک طوائف شمشاد بائی کے قتل کا الزام تھا۔ لطیف گابا نے جو قتل کے مشہور قصے لکھے ہیں ان میں ایک اس کا بھی ذکر ہے۔ اس کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ:

''جب جھنگ سے اس کا جی اکتا جاتا تو وہ ایک مغل شہنشاہ کی مانند کثیر تعداد میں نوکر چاکر قوال اور مغنی اپنے ساتھ لے کر ملک کے مختلف حصوں میں نکل جاتا۔ وہ بہت سا دھن دولت اپنے ساتھ لے جاتا اور ان گویوں اور عورتوں کو جو اسے محفوظ و مسرور کرتیں دریا دلی سے انعام و اکرام سے نوازتا'' (۹)

وہ لاہور کی ایک طوائف شمشاد بائی پر فریفتہ ہو گیا اور اسے اپنے ساتھ جھنگ لے گیا جہاں رات کو جب دونوں کمرے میں تھے اس نے شمشاد بائی کو قتل کر دیا۔ اس کے دوست کے مطابق قتل شاید اس لئے ہوا کہ اس کی جسمانی حالت اس قابل نہیں رہی تھی کہ وہ شمشاد بائی کے ساتھ اختلاط کر سکتا۔ اس لئے بھی اس نے اس پر طنز کیا تو وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکا اور گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ (۱۰)

بہت سی ایسی شہادتیں ہیں کہ جاگیرداروں نے شراب، جوئے، اور طوائف بازی میں اپنی جائیداد و زندگی برباد کر دی۔ اس طرح ان کے ان مشاغل سے طوائفوں کو شہرت ملی، جوئے اور شراب کے کاروبار میں ترقی ہوئی اور ان کی بغیر محنت کی کمائی ان سے نکل کر کاروبار میں آ گئی اور کاروباری طبقہ کو مضبوط کیا۔

دوستی و دشمنی

جاگیردار کلچر میں دوستی و دشمنی دونوں میں انتہا پسندی ہوتی تھی۔ اگر کسی سے دوستی ہو جاتی ہے تو اس کو نباہنے کے لئے پوری کوشش کی جاتی تھی اور دوست کا ہر حالت میں ساتھ دیا جاتا تھا۔ اگر دوستی اور قانون و اخلاقی قدروں کے درمیان کبھی ترجیح کا سوال آ جاتا تو اس صورت میں دوستی کو اولیت دی جاتی تھی۔ چاہے دوست غلطی پر ہی کیوں نہ ہو اس کی حمایت کی جاتی تھی۔ یہ دوستی دو ہم مرتبہ اشخاص میں ہوتی تھی۔ اگرچہ کبھی اس میں استثنا بھی ہو سکتا تھا اور جب یہ ہوتا تو دوسرے کو اپنے سے بڑے آدمی کی دوستی پر فخر ہوتا تھا۔ دوستی صرف ایک ہی فرد سے نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کا خاندان بھی اس زمرے میں آ جاتا تھا اور اس کے ساتھ بھی اسی محبت و خلوص سے ملا جاتا تھا۔ دوستی کا سب سے بڑا اظہار ساتھ کھانے پینے میں ہوتا تھا۔ اس لئے ہم پیالہ و ہم نوالہ کی اصطلاح سے قربت اور یگانگت ظاہر ہوتی تھی۔

دوستی کی طرح دشمنی میں بھی انتہا پسندی تھی۔ اگر کسی سے اختلاف ہو گیا تو پھر اسے بھلایا نہیں جاتا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ اپنے مخالف کو نیچا دکھایا جائے اور ذلیل کیا جائے۔ ایک زمانہ میں اس مقصد کے لئے جاگیردار چوروں اور رسہ گیروں کی سرپرستی کرتے تھے تاکہ وہ ان کے مخالف جاگیرداروں کے مویشی چرا کر لائیں اور انہیں زک پہنچائیں، اس کا یہ پیغام بھی تھا کہ وہ اس کے گھر میں گھس سکتے ہیں۔ اور اس کی حفاظت کو توڑ سکتے ہیں۔

سرائیکی علاقے میں چور مخالف جاگیردار کے گھر میں گھس کر اس کی عورتوں کے کپڑے چرا لیتے تھے جنہیں وہ رات کے وقت درختوں میں لٹکا دیتے تھے تاکہ جب لوگ صبح کھیتوں میں کام کرنے آئیں تو انہیں دیکھ لیں۔ عورتوں کے کپڑوں کو اس طرح لٹکا کر وہ مخالفوں کی بے عزتی کرتے تھے۔ (۱۱)

مقدمہ بازی

دشمنی کے اسی زمرے میں مقدمہ بازی بھی آتی ہے۔ ایک عرصہ تک جاگیردار اپنے مخالفوں کو دبانے کے لئے اور نقصان پہنچانے کے لئے ان کی زمینوں پر بذریعہ جنگ اور لڑائی قبضہ کرتے تھے۔ برطانوی عہد میں جب ان کے پاس فوج نہیں رہی تو جنگوں میں اور لڑائیوں کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اب میدان جنگ کی جگہ عدالت آ گئی۔ فوج کی جگہ وکیلوں نے لے لی۔ مقدمہ لڑنے کی اصطلاح سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بطور جنگ لیا جاتا تھا۔ اس میں ہار و جیت کی اتنی ہی اہمیت تھی جیسی کہ میدان جنگ میں ہوتی تھی۔ مقدمہ عزت کا سوال بن جاتا تھا۔ اس لئے ہر فریق کی کوشش ہوتی تھی کہ مقدمہ جیتنے کے لئے جان و مال کی بازی لگا دے اور جتنی دولت خرچ کر سکتا ہے کرے۔ جاگیردارانہ کلچر میں دولت کی اہمیت نہیں تھی کیونکہ یہ دولت بغیر محنت کے حاصل ہو جاتی تھی۔ اس لئے اہمیت اس بات کی تھی کہ اس کی حیثیت و عزت باقی رہے۔

یہ مقدمے مخالفوں اور دشمنوں سے بھی ہوتے تھے اور خاندانی جھگڑوں مثلاً تقسیم جائیداد، شرکت جائیداد اور وراثت پر بھی ہوتے تھے۔ ہر دو صورت میں یہ دو مخالفوں کے درمیان جنگ ہوتی تھی۔ یہ مقدمہ اکثر قانونی موشگافیوں کی وجہ سے پندرہ پندرہ اور بیس

بیس سال چلتا تھا جو ان کو مقروض بنا دیتا تھا۔ مگر وہ آخر وقت مخالف کو نیچا دکھانے کی خاطر مقدمہ بازی (یہ اصطلاح بھی دلچسپ ہے یعنی مقدمہ کا کھیل، اور مشغلوں کی طرح یہ بھی ایک مشغلہ تھا) میں مصروف رہتے تھے۔

وہ مقدمات بڑے سنگین ہوتے تھے کہ جن کا تعلق زمین سے ہوتا تھا۔ اگر زمین پر کوئی دوسرا حق جماتا تو چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس کے لئے سخت قانونی جنگ ہوتی تھی۔ کیونکہ جاگیردار کے لئے سب سے اہم چیز زمین تھی۔ اس کی آمدنی، اس کی حیثیت اور طاقت سب زمین کی وجہ سے تھی، اس لئے وہ اس کی خاطر جان بھی دینا گوارا کرتا تھا کیونکہ اس کے بغیر وہ بے سہارا تھا۔

برطانوی عہد میں جاگیرداروں اور تعلقداروں کی مقدمہ بازی کی وجہ سے شہروں میں وکیلوں کے طبقے کو عروج ہوا کہ جنہوں نے ان کے اس شوق کی وجہ سے بہت دولت کمائی۔

ایک نقصان جو مقدمہ بازی سے ہوا وہ یہ کہ اس کی وجہ سے جائیدادیں کم ہو گئیں۔ خاندان برباد ہو گئے۔ زرعی ترقی رک گئی، اور بعض اوقات قتل تک کی نوبت آ گئی، مگر ان سب باتوں کے باوجود مقدمہ بازی جاگیرداروں میں ایک جذبہ اور شغل رہا۔ (۱۲)

قانون سے بالاتر ہونا

روایتی طور پر جاگیردار خود کو قانون کا نافذ کرنے والا سمجھتا تھا، اس لئے وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھتا تھا کہ قانون کے پابندی کی جائے۔ کیونکہ قانون کی پابندی اسے اور ایک عام آدمی کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتی تھی۔ اس لئے اس کے اور عام آدمی کے درمیان علیحدہ علیحدہ قانون تھے۔ اس سے پہلے عہد سلاطین و عہد مغلیہ میں سب سے بڑا جرم بغاوت ہوتا تھا، اس کی سزا جاگیردار کو فوراً ملتی تھی، مگر دوسرے جرائم سے چشم پوشی کی جاتی تھی۔ سزا دیتے وقت بھی عام آدمی اور جاگیردار یا فیوڈل کے درمیان فرق تھا۔ مثلاً یورپ کے اکثر ملکوں میں اگر عام آدمی کو پھانسی دی جاتی تھی تو جاگیردار کی گردن اڑائی جاتی تھی۔ فرانس میں انقلاب کے دوران گلوٹن کی ایجاد اس لئے اہم تھی کہ اس میں امیر و غریب دونوں کی ایک طرح سے گردن کاٹی جاتی تھی جو کہ مساوات کی علامت تھی۔

جاگیردارانہ کلچر اور تاجر

جاگیردار کے لئے زمین اہم تھی۔ روپیہ پیسہ کی اس کے لئے زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ اس اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ زمین ایک جگہ رہتی ہے، جب کہ روپیہ حرکت میں اور ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ میں جاتا ہے۔ اس لئے اسے طوائف سے تشبیہ دی جاتی تھی کہ کسی کی وفادار نہیں ہوتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں زمین کا تعلق گہرا اور دائمی ہوتا تھا وہ حرکت نہیں کرتی تھی بلکہ اپنی جگہ رہتی تھی جو کہ وفاداری کی علامت تھی۔

اس وجہ سے جاگیردار طبقہ تاجر کو حقارت سے دیکھتا تھا جو منافع کے لالچ میں کاروبار کرتا تھا۔ نفع ونقصان کی وجہ سے تاجروں کی کوئی مستقل حیثیت بھی نہیں تھی وہ دولت اکٹھی کرتے تھے مگر نقصان کی وجہ سے یکدم دیوالیہ بھی ہو جاتے تھے۔ پھر ان کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ دھوکہ، فریب، لالچ اور خوشامد سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں عالی ہمتی اور بہادری کا فقدان ہوتا ہے۔ چونکہ وہ روپیہ پیسہ کا حساب رکھتے ہیں اس لئے اس کے خرچ کرنے میں کنجوس ہیں، اس لئے ان سے فیاضی وسخاوت کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ تاجر شہروں میں رہتے ہوئے رشتوں کی اہمیت پر زور نہیں دیتے تھے بلکہ ہر چیز کو نفع ونقصان کے پیمانہ میں ناپتے تھے۔

تاجروں کی کلاس اپنی اقدار کے لحاظ سے جاگیردارانہ کلچر سے مختلف تھی۔ جدید عہد میں جو تاجر طبقہ پیدا ہو رہا تھا، وہ اپنی کامیابی میں خاندان سے زیادہ اپنے کردار اور اپنی محنت کو سمجھتا تھا، اس کی کامیابی کی بنیاد اس کی ذہانت، لیاقت ہوتی تھی۔ وہ ان خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لئے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو چمکاتے تھے۔ چونکہ کام کی وجہ سے ترقی کے راستے کھلتے تھے اس لئے ان کی زندگی میں نظم وضبط تھا، وقت کی قدر تھی۔ محنت کو معاشرہ میں باوقار مقام انہیں کی وجہ سے ملا۔ ان کے ہاں دوستی ودشمنی کی قدریں بھی مختلف تھیں۔ وہ دوستی ودشمنی کو معاشی مفادات میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ کاروباری ضرورت ہوتی تھی تو دشمن سے بھی بات چیت کر لیتے تھے۔

یہ وہ حالات تھے کہ جن شہروں اور دیہات میں فرق ہوا۔ شہروں میں ایک متوسط طبقہ وجود میں آیا کہ جو تعلیم یافتہ، باشعور اور محنتی تھا۔ اس طبقہ نے یورپ کو جدید دور سے

روشناس کرایا اور اسی طبقہ نے ہندوستان میں قومی شناخت کو پیدا کیا۔لیکن پاکستان میں یہ طبقہ کمزور رہا اور جاگیردارانہ کلچر اس پر چھایا رہا۔

حوالہ جات

۱۔ سندھ میں لڑکیوں کی شادی قرآن سے کر دی جاتی ہے۔ یہ رسم بڑے جاگیردار گھرانوں میں ہے۔ اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ شادی کر کے کسی غیر خاندان کے شخص کو اپنے میں داخل نہیں کیا جائے۔ دوسرے خاندان کی لڑکی کسی اور مرد کی ملکیت نہ بنے اور تیسرے جائیداد کے حصہ دار نہ ہو۔ کچھ جاگیردار خاندانوں میں لڑکیوں کی شادی کی ہی نہیں جاتی ہے اور پیدائش سے موت تک ان کی زندگی حویلی میں گزرتی ہے۔

۲۔ Critchley: ص ۵۰

۳۔ ایشوری پرشاد: ہمایوں (انگریزی) لاہور (؟) ص ۷۵

۴۔ کافکا کا ناول ’’کیسل‘‘ اس کی مثالی ہے کہ جس میں کیسل آخر وقت تک پر اسرار اور پہنچ سے دور رہتا ہے۔

۵۔ مٹکاف: ص ۳۵۳

۶۔ ایضاً: ص ۳۵۸

۷۔ ایضاً: ص ۳۶۷

۸۔ بلوخ: ص ۳۱۱

۹۔ لطیف گابا: قتل و معاشقے (اردو ترجمہ محمد اسماعیل) لاہور ۱۹۹۲ء ص ۵۳

۱۰۔ ایضاً: ص ۲۷

۱۱۔ سرائیکی علاقے کی اس رسم کی معلومات کے لئے میں جناب سمیر لطیف کا ممنون ہوں۔

۱۲۔ مٹکاف: ص ۳۵۲، ۳۴۷، ۶۷۹

نواں باب

جاگیردار اور سیاست

جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ برطانوی عہد میں جاگیردار کا کردار اور اس کے اختیارات بدل چکے تھے انتظامی اداروں اور ریاست کا کنٹرول معاشرے پر بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے جاگیردار خود کو قانون سے بالا تر سمجھتا تھا، مگر اب وہ قانون کی زد میں تھا اور اگر اس کی خلاف ورزی کرتا تو اسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح سزا دی جاتی تھی۔

برطانوی حکومت نے اس طرح سے جاگیردار طبقہ کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی مراعات، امتیازات، اور حیثیت کے لئے حکومت پر انحصار کرے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ساری توانائیاں حکومت کی خوشامد اور اپنی وفاداری ثابت کرنے پر صرف ہوتی تھیں۔

جب ۱۸۶۰ء کی دھائی میں برطانوی حکومت نے ہندوستان میں جمہوری اداروں کو روشناس کرایا تو انہوں نے جاگیردار طبقہ کی وفاداری کے پیش نظر، انہیں لوکل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں بطور ممبر نامزد کرنا شروع کیا۔ ان اداروں کے قیام نے ہندوستان میں ایک محدود سیاست کو روشناس کرایا۔ لیکن جاگیردار طبقہ نے فوراً ہی اس کی اہمیت کو محسوس کر لیا کہ اپنے اختیارات کھونے کے بعد اور حکومت کی طاقت سے محروم ہونے کے بعد سیاست ہی وہ میدان ہے جس میں وہ اپنے کھوئے ہوئے اختیارات کو حاصل کر کے خود کو معاشرے میں اہم و ممتاز بنا سکتے ہیں۔ اس لئے سیاست ان کے لئے ایک ایسا ذریعہ بن گئی جو ان کی عزت اور وقار کو بحال کر سکتی تھی۔ اس لئے جاگیردار طبقہ نے سیاست کو بھی جنگ کی طرح سے ایک وسیلہ بنایا، جو ان کے اور ان کے خاندان کو مستحکم اور مقبول بنانے میں مدد کرے۔ ابتداء میں چونکہ نامزدگیاں ہوتی تھیں اس لئے انہوں نے اس مقصد کے

حصول کے لئے حکومت کے عہدے داروں اور احکام اعلیٰ کو خوشامدیں کیں۔ کیونکہ نامزدگی اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ جب حکومت کو ان کی وفاداری کا یقین ہو اور ساتھ ہی وہ رعیت میں ان کے اثر و رسوخ سے بھی واقف ہو۔ لہٰذا نامزدگیوں کے طریقہ کار کی وجہ سے جاگیردار طبقہ کی وفاداری حکومت کے ساتھ اور زیادہ مستحکم ہو گئی۔

جب انتخاب کا طریقہ شروع ہوا تو اس نے باہمی مقابلہ کے سلسلہ کو شروع کیا۔ یہ مقابلہ ایک بار پھر جنگ کی شکل اختیار کر گیا، کیونکہ انتخاب میں ہار، عزت و وقار کی ہار تھی۔ اس لئے عزت و وقار کے تحفظ کے لئے وہ زیادہ سے زیادہ پیسے خرچ کر دیتے تھے اور ہر صورت میں کامیابی کے خواہش مند رہتے تھے۔

لیکن ان اداروں میں آنے کے بعد جاگیردار طبقہ کو تھوڑے بہت اختیارات مل گئے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں برطانوی انتظامیہ کا قرب حاصل ہو گیا۔ ایک طرف تو ان کی عزت میں اضافہ ہوا کہ وہ حکومت میں شریک کار ہیں۔ تو دوسری طرف انتظامیہ کے قرب کی وجہ سے لوگوں میں ان کی حیثیت اور زیادہ بڑھ گئی۔

جمہوری اداروں اور روایات کی وجہ سے جاگیردار طبقہ میں پہلی مرتبہ یہ سیاسی شعور آیا کہ انہیں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے متحد ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں حکومت ان کی بات سنے گی۔ اس مقصد کے لئے ہندوستان کے جاگیرداروں، زمینداروں، اور تعلقداروں نے اپنی اپنی انجمنیں بنائیں جیسے اودھ کے تعلقداروں نے برٹش انڈیا ایسوسی ایشن، پنجاب میں انجمن زمینداری، اور دوسرے صوبوں میں بھی ایگریکلچرل ایسوسی ایشنز بنیں، تاکہ جاگیرداروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کے مفادات کا تحفظ کیا جائے۔

جب لیجیلسٹو کونسلز کا قیام عمل میں آیا تو اس میں بھی اس طبقہ کے لوگوں کو نامزد کیا گیا۔ اس صورت حال سے انہوں نے بھر پور فائدہ اٹھایا اور ایسے قوانین پاس کرائے جن کی وجہ سے ان کی جائیدادیں اور ان کی مراعات محفوظ رہیں۔ پنجاب میں خصوصیت سے جائیدادوں ک تحفظ، اور آبپاشی کے اخراجات کو کم کرانے کے قوانین کو نافذ کرایا گیا۔(۱)

جمہوری اداروں کے قیام کے ابتدائی دور میں جاگیرداروں نے اپنا تسلط قائم رکھا۔ لیکن اسی دوران معاشرے میں تبدیلیاں آ رہیں تھیں، اور شہروں میں یورپی تعلیم یافتہ طبقہ سیاسی شعور کے ساتھ ابھر رہا تھا۔ چنانچہ جب ۱۸۸۵ء میں اس طبقہ کے لوگوں نے

کانگریس کی تشکیل کی اور اپنے لئے سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا تو اس سے جاگیرداروں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی۔

جاگیردار طبقے اور متوسط طبقے کے رجحانات میں سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ جاگیردار طبقہ وفاداری کی بنیاد پر حکومت میں شرکت چاہتا تھا، جب کہ متوسط طبقہ سیاسی حقوق کا مطالبہ کر رہا تھا اور حکومت کی نا انصافیوں کے نشان دہی کر رہا تھا۔ اس رجحان کی تہہ میں چھپا ہوا مزاحمتی لہجہ تھا جس سے جاگیردار نا واقف تھے۔ مزید برآں جاگیردار طبقہ حکومت کی سر پرستی میں پروان چڑھا تھا۔ اس لئے یہ مقابلہ سے آشنا نہیں تھے۔ ملازمتوں، ہدوں اور ممبری کے لئے اپنے خاندانی حق کو استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ برطانوی حکومت نے کوشش کی تھی کہ انہیں جدید تعلیم دی جائے تاکہ وہ متوسط طبقہ سے مقابلہ کرسکیں، مگر وہ مقابلے کے بجائے ہمیشہ سر پرستی کے خواہش مند ہے اس لئے متوسط طبقے کی ذہانت، لیاقت، اور محنت کے آگے کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار طبقہ قومی دھارے سے علیحدہ رہا اور اس نے سیاست کو محض حکومت کی خوشنودی اور اپنے مفادات کے استعمال تک محدود رکھا۔

جاگیردار طبقہ کی اس ذہنیت کا اظہار سر سید احمد خاں کے اس رویئے سے ہوتا ہے جو انہوں نے کانگرس کی مخالفت میں اختیار کیا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں انہوں نے پیٹر یاٹک ایسوسی ایشن بنائی جس کا مقصد تھا کہ حکومت کو اس بات کا یقین دلایا جائے کہ جاگیردار اور والیان ریاست اس کے ساتھ ہیں۔ حالی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: ''تقریباً کل تعلقداروں، جاگیرداروں، اور رئیسوں نے عام طور سے ہندو ہوں یا مسلمان ان کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا'' (۲)

سرسید نے اس بات کی بھی مخالفت کی کہ مقابلہ کے امتحانوں میں عام ہندوستانیوں کو بیٹھنے دینا چاہئے کیونکہ ان کی وجہ سے ادنی درجہ کے لوگ اعلیٰ وشریف لوگوں کے حاکم بن جائیں گے اور یہ ہندوستانی روایات کی خلاف ہے۔

''ہندوستان کی شریف قومیں، ہندوستان کے ادنی درجہ کے شخص کو جس کی جڑ بنیاد سے وہ واقف ہیں، اپنی جان و مال پر وہ حاکم ہونا پسند نہیں کریں گے''۔ (۳)

اس جاگیردارانہ ذہن کا اظہار ان کے اس رویہ سے ہوتا ہے کہ وہ لیجسلیٹو کونسل

کی ممبری کے لئے لیاقت کے نہیں بلکہ سماجی رتبہ کے قائل تھے۔

''کیا ہمارے ملک کے رئیس اس کو پسند کریں گے کہ ادنیٰ قوم یا ادنی درجہ کا آدمی خواہ اس نے بی۔ اے کی ڈگری لی ہو یا ایم۔ اے کی — اور گو وہ لائق بھی ہو، ان پر بیٹھ کر حکومت کرے۔ ان کے مال، جائیداد، اور عزت پر حاکم ہو'' (۴)

جاگیردار اور متوسط طبقوں کے درمیان میں سیاسی اختلافات پورے برطانوی عہد میں جاری رہے۔ اس طبقاتی سیاست کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اس کی وجہ سے سیاست سیکولر تھی۔ چنانچہ جاگیرداروں اور تعلقداروں کی انجمنیں ہوں یا متوسط طبقہ کی سیاسی جماعتیں یہ طبقاتی مفادات پر متحد تھیں۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی اس کی سب سے اچھی مثال ہے کہ جس میں ہندو، سکھ اور مسلمان جاگیردار جمع ہو گئے تھے۔

مسلمان جاگیرداروں کے طبقہ میں خصوصیت سے اس وقت بے چینی پھیلی کہ جب کانگرس نے اس کا اعلان کر دیا کہ وہ ملک کی آزادی کے بعد جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر دے گی۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۶ء میں پنجاب اور سندھ کے جاگیردار مسلم لیگ میں آ گئے اور پاکستان کی تحریک میں شامل ہو گئے۔

ملک کی تقسیم کے بعد کانگرس نے ۱۹۵۱ء میں ہندوستان میں جاگیرداری کا خاتمہ کر دیا۔ مگر پاکستان میں جاگیرداری کے نظام کی تقسیم کے بعد ایک نئی زندگی مل گئی۔ کیونکہ آزادی کے بعد پنجاب و سندھ سے ہندوؤں کا تعلیم یافتہ متوسط طبقہ چلا گیا۔ ان کی غیر حاضری میں جاگیردار طبقہ کو اس کی پوری آزادی مل گئی کہ ملک کی سیاست پر بغیر کسی مقابلہ کے حاوی ہو جائیں۔ سیاست و اقتدار پر ان کے تسلط کی وجہ سے وہ تمام کوششیں کہ جو زرعی اصلاحات کے سلسلہ میں ہوئیں وہ بالآخر ناکام رہیں۔ ۱۹۴۹ء میں مسلم لیگ نے زرعی اصلاحات کے لئے ایک کمیشن بنایا مگر اس کی سفارشات پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ ایوب خان نے ۱۹۵۹ء اور بھٹو نے ۱۹۷۲ء میں زرعی اصلاحات کا نفاذ کیا مگر عملی طور پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

پاکستان کے ابتدائی دور میں چونکہ نہ تو کوئی دستور بنا اور نہ ہی انتخابات ہوئے۔ اس لئے مسلم لیگ جو کہ جاگیرداروں کے تسلط میں تھی اس نے بغیر کسی مقابلہ کے اقتدار کو اپنے لئے مخصوص رکھا۔ ساتھ ہی میں سیاست کے ساتھ ساتھ انہوں نے بیوروکریسی اور

فوج میں بھی اپنے اثر و رسوخ کو بڑھایا کہ یہاں ان کے خاندان کے افراد نے اعلیٰ عہدوں پر قبضہ جمالیا۔ چنانچہ نئے سندھ میں بیراج کی زرخیز زمینیں ان لوگوں کو ملکی و قومی خدمات کے عوض دی گئیں تو اس سے یہ طبقہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔

پاکستان میں مارشل لاء اورفوجی آمریت کے زمانہ میں بھی جاگیردار طبقہ کی مراعات میں کئی فرق نہیں آیا۔فوج اور بیورو کریسی سے ان کے جو روابط ہو گئے تھے ان کی وجہ سے انہوں نے اپنے اختیارات کو بحال رکھا۔

پاکستان کی جمہوریت جاگیردارانہ ہے، کیونکہ ملک کی ہر سیاسی جماعت سوائے چند نظریاتی جماعتوں کو چھوڑ کر، ان کی گرفت میں ہیں۔ چونکہ جاگیرداروں کا اپنے علاقہ میں اثر ہے، اس لئے ان کے لئے انتخابات جیتنا آسان ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں کسی جماعت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ سیاسی جماعت کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ سیاسی جماعتوں کو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی ان کے لئے وفاداری بدلنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ماضی میں ان کا دستور تھا۔

سیاست میں حصہ لینا، انتخاب میں جیتنا، اور اقتدار میں آنا ان کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اپنے اختیارات کو وسیع کرتے ہیں، اور انتظامی اداروں کو استعمال کر کے اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اختیارات کی بدولت اس کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقہ میں سر پرست کا کردار ادا کر سکے۔ جس میں لوگوں کو ملازمتیں دلوانا، پولس کے چنگل سے آزاد کرانا، اور اپنے مخالفوں کو سزائیں دلوانا شامل ہوتا ہے۔

سر پرستی کے اس نظام کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ معاشرہ میں حکومت اور اس کے اداروں کا احترام ختم ہو گیا ہے اور اس کی جگہ ارکان اسمبلی اور وزیروں کی عزت و احترام لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو انتظامیہ سے ان کے کام کراتے ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے ہر شخص اس بات پر مجبور ہے کہ وہ ان کی سر پرستی کے دائرے میں رہے، جو ان کی سر پرستی سے باہر ہے اس کے لئے انتظامیہ سے اپنے کام کرانا مشکل ہے۔ چنانچہ سیاسی اقتدار نے جاگیردار طبقہ کو جو وسیع اختیارات دیئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے خود کو اور زیادہ مستحکم کر لیا ہے۔(۵)

اس جاگیردار جمہوریت میں، جمہوری ادارے ان کے لئے موثر ہتھیار ہیں کہ

جن کو وہ اپنی ذات کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پارلیمینٹ میں ایسے قوانین پاس ہوتے ہیں کہ جو ان کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اس لئے آج زرعی ٹیکس پاس نہیں ہو سکا۔ کیونکہ پارلیمینٹ میں ان کی اکثریت ہے جو اس بل کو پاس نہیں ہونے دیتی ہے۔

پاکستان کے معاشرے میں جاگیردار طبقہ کو اس لئے بھی استحکام ملا کیونکہ اس کے مقابلہ میں متوسط طبقہ نہ تو زیادہ پھیلا اور نہ ہی مضبوط ہوا۔ تعلیمی اداروں کے زوال نے اور بھی اس طبقہ کو کمزور کر دیا۔ اس لئے کسی مقابلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے جاگیردار طبقہ نے ہر دور میں چاہے آمریت ہو یا جمہوریت اس میں خود کو محفوظ رکھا۔

حوالہ جات

۱۔ ٹالبوٹ: ص۸۴-۸۳

۲۔ الطاف حسین حالی: حیات جاوید، لاہور ۱۹۴۶ء ص ۳۱۸

۳۔ سرسید: خطبات، حصہ دوم، لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۳-۱۲

۴۔ ایضاً: ص ۶

۵۔ مبارک علی: جاگیردارانہ جمہوریت (المیہ تاریخ) لاہور ۲۹۹۵ء ص ۳۰۱

دسواں باب

کیا پاکستان میں جاگیردارانہ نظام ہے؟

جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا پاکستان میں جاگیردارانہ نظام ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً پاکستان کا جاگیردارانہ نظام نہ تو یورپ کے قرون وسطی جیسا ہے اور نہ ہی عہد سلاطین و مغلیہ جیسا۔ کیونکہ ہندوستان میں جاگیر بطور تنخواہ دی جاتی تھی، اور اس کی حیثیت نجی جائیداد کی نہیں تھی۔ عہد برطانیہ میں اس کو موروثی بھی بنایا گیا، اور اس کی تشکیل اس طرح سے ہوئی کہ اس طبقہ کی وفاداریاں حکومت کے ساتھ رہیں۔

پاکستان میں سیاسی اقتدار میں رہنے کی وجہ سے اس طبقہ نے اپنے اختیارات کو بڑھالیا ہے، بجائے اس کے کہ حکومتی ادارے اس پر تسلط حاصل کریں، اس نے ان کو اپنے تسلط میں لے لیا ہے۔

زراعت میں مشینوں کے استعمال کی وجہ سے اب جاگیردار اور کسان کے تعلقات میں بھی فرق آ گیا ہے۔ گاؤں اور شہروں کے درمیان رابطے کی وجہ سے کسانوں کے لئے شہر کی مارکیٹیں ملازمت کے لئے کھل گئی ہیں۔ اس لئے کسانوں کو کھیتوں پر کام کرانے کے لئے جاگیردار اب تشدد کو استعمال کرتا ہے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ انہیں پیشگی رقم دے کر مجبور کرتا ہے کہ اس کے لئے انتہائی سستی تنخواہ پر مزدوری کرے۔ ان کسانوں کو بیڑیوں میں باندھ کر نجی جیلوں میں رکھا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی فرار ہوتا ہے تو اس کی سزا اس کے اہل خاندان کو دی جاتی ہے۔ جس میں جسمانی تشدد، قتل، اور عورتوں کی بے حرمتی کرنا شامل ہوتا ہے۔ (۱) نجی جیلوں کا وجود اس بات کی گواہی ہے کہ اس طبقہ کا اثر انتظامیہ پر کس قدر ہے کہ جو اس کی جانب سے اغماض برتتی ہے اور اسے کسانوں پر ظلم کرنے کے لئے وسیع اختیارات دیتی ہے۔

نئی صورت حال کی وجہ سے جاگیردار اب اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے تشدد سے کام لیتا ہے۔ اگر اس کے علاقہ میں کوئی اس کا احترام نہ کرے یا ادب کے طور پر اس کے آگے سر نہ جھکائے تو اسے اپنے غنڈوں کے ذریعہ سزا دیتا ہے۔ (۲)

اس لئے پاکستان میں نظام جاگیرداری اب نئی شکل اور ہیئت میں ہے۔ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا ڈھانچہ بھی بدل گیا ہے۔ اب زیادہ تر جاگیردار اپنے علاقوں میں رہنے کے بجائے شہروں میں رہتے ہیں۔ ان کے شہروں میں آنے کی وجہ سے شہروں کا کلچر بھی جاگیردارانہ ہوگیا ہے۔ ساتھ ہی میں ان کا تعلق اپنے علاقہ کے آبادی سے کمزور ہو رہا ہے۔ اس لئے پاکستان میں نظام جاگیرداری موجود ہے۔ مگر اس کی نوعیت وشکل بدل گئی ہے۔ چونکہ یہ نظام کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ اس لئے اس کا کلچر بھی اس کے ساتھ برقرار ہے۔

اس لئے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاسکتان میں نظام جاگیرداری اپنی افادیت کھو چکا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً اس نظام کی افادیت اس وجہ سے نہیں رہی ہے کیونکہ اس نظام کا تعلق محض اپنے مفادات میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس نے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ نہیں کیا ہے۔ اس لئے اب لوگ اس کی افادیت پر سوال کرنے لگے ہیں۔ سیاست میں بھی ان کی نااہلی ثابت ہو چکی ہے۔ اور ملکی خرابی کا ذمہ دار بھی انہیں ہی ٹھہرایا جا رہا ہے۔

اب ورلڈ بنک، آئی۔ایم۔ایف اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مطالبات کے تحت معاشرے کی جو تشکیل نو ہو رہی ہے اس میں نظام جاگیرداری کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ اندرونی اور بیرونی دباؤ کے تحت اس نظام کا اس شکل میں زیادہ عرصہ رہنا مشکل نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ملک کے اخباروں اور رسالوں میں سندھ میں نجی جیلوں کے بارے میں تفصیلات آتی ہیں۔ ان میں سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے رسالہ ''جہد حق'' جلد نمبر۲، شمار نمبر۱۲ (دسمبر ۱۹۹۵ء) سے یہ اقتباسات دیئے جا رہے ہیں۔

''ٹیم کے ارکان نے اس سلسلے میں ضلع سانگھڑ کے زمیندار مرید خاں مری کے گاؤں دہیہ دم گئے۔ ٹیم کے ارکان کے ہمراہ گاؤں سے ایک ماہ قبل فرار ہونے والا خمسیوں بھیل بھی تھا۔ جب ٹیم کے ارکان مرید خاں مری کے گاؤں درویش کے گنے کے کھیتوں میں پہنچے تو وہاں ضلع تھر کے ایک گاؤں بگھار کے کرشن بھیل چنو بھیل، گیلو بھیل، مولو بھیل...... زنگ آلود زنجیروں اور تالوں سے دو دو کی جوڑی ہیں بندھے ہوئے گنے کی کٹائی میں مصروف تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ کئی مہینوں سے اس طرح بندھے ہوئے کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی طرح سینکڑوں ہاری مرید خاں مری کے وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔

ان افراد نے بتایا کہ صبح سات بجے سے رات دس بجے تک کٹائی کرائی جاتی ہے۔ انہیں کبھی روٹی دی جاتی ہے کبھی نہیں دی جاتی۔ شام پانچ بجے کے قریب ان افراد کے لئے کھانا آیا جسے ٹیم کے ارکان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کھانے میں صرف گندم کی نیم سوکھی ہوئی روٹی اور اس کے ساتھ سوائے پانی کے اور کوئی چیز نہیں تھی۔ ان افراد نے بتایا کہ انہیں رات کے دس بجے کے بعد درختوں اور بڑے بڑے پتھروں سے باندھ دیا جاتا ہے اور مسلح پہریدار ان پر پہرہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ جسمانی طور پر انتہائی لاغر تھے اور ان کے کپڑے بوسیدہ ہو کر کئی جگہوں سے پھٹ چکے تھے اور وہ کئی مہینوں سے نہائے بھی نہیں تھے۔

دوسری پرائیویٹ جیل غلام رسول راہو کی زمین پر قائم ہے...... غلام رسول راہو سندھ پولیس میں ڈی۔ ایس۔ پی ہے...... ٹیم کے ارکان جب اس گاؤں پہنچے تو مرد عورتوں

سمیت کپاس کے کھیتوں میں زمیندار کے کارندوں کی نگرانی میں کام کر رہے تھے۔ وہاں پر چار سگے بھائیوں نے بتایا کہ چار سال قبل زمیندار غلام رسول راہو نے انہیں گل حسن زند نامی زمیندار سے ۳۵ ہزار روپے میں خریدا تھا۔ چار سال تک دن رات اس کے کھیتوں میں کام کرنے کے بعد اب زمیندار کا کہنا ہے کہ ان پر ایک لاکھ روپیہ قرض ہے......(زمیندار کے آدمی) کئی مرتبہ ہیرے کی بیوی اور ڈونگ کی بیوی موناں سے ان کی موجودگی اور غیر موجودگی میں جسمانی زیادتی کر چکے ہیں۔''

۲۔ رحیم یار خاں ڈسٹرکٹ کے گاؤں جان پور کے وڈیرے ملک اعظم نانچ کے آدمیوں نے گاؤں کے ایک شخص حافظ گوہر کو اس وجہ سے مار مار کر ہلاک کر دیا کہ اس نے وڈیرے کے سامنے گزرتے ہوئے اسے فرشی سلام نہیں کیا تھا۔ لیاقت پور کی پولیس وڈیرے اور اس کے آدمیوں کے خلاف کوئی مقدمہ درج کرنے سے کترا رہی ہے۔

(ڈان۔ جمعرات، فروری ۱۹۹۶/۱۵ء)

اصطلاحات

اقطاع: زمین کا ٹکڑا جو کہ فوجی خدمات کے عوض دیا جاتا تھا۔ اقطاع رکھنے والا اقطاع دار یا مقطعی کہلاتا تھا۔

امانی: اس میں ریونیو کی وصولیابی پہلے سے طے شدہ شرائط پر نہیں ہوتی تھی بلکہ اصل پیداوار پر ہوتی تھی۔

امین: حساب کتاب رکھنے والا

اسامی: کاشتکار

عامل: ریونیو وصول کرنے والا افسر جو حکومت کی جانب سے مقرر ہوتا تھا۔

بدھنی: ریونیو کی ادائیگی کے لئے قرضہ۔ یہ فصل کو بطور ضمانت رکھ کر لیا جاتا تھا۔

بھائی چارہ: جس میں زمین کی پیداوار کاشتکاروں میں برابر تقسیم ہوتی تھی۔

بسودار: گاؤں کی زمین کا حصہ دار

چکلہ دار: پرگنوں پر مشتمل علاقہ چکلہ۔ یہاں سے ریونیو وصول کرنے والا

دستک: پروانہ۔ ریونیو نہ دینے والے کے خلاف نوٹس

دستور العمل: انتظامیہ کے قوانین

گرد آور: انتظام کی دیکھ بھال کرنے والا

حضور تحصیل: جس میں گاؤں کا مکھیا گاؤں کی طرف سے براہ راست ریونیو کی ادائیگی کرتا تھا۔

جمع: ریونیو وصول کرنے والی رقم

وقف: (جمع اوقاف) وہ جائیداد جو ناقابل انتقال ہو

بناتی: زمیندار اور کسان کے درمیان پیداوار کی تقسیم

ڈالی: نذر۔ پیش کش

انعام: وہ زمین جس پر ریونیو نہ لگتا ہو

جاگیر: تنخواہ کے عوض زمین کی پیداوار پر ریونیو کا حق

کرسی نشیں: کمشنر، گورنر، یا واسرائے کے دربار میں حسب مراتب کرسی پر بیٹھنے کا حق

معافی: ریونیو سے آزاد زمین

پٹہ داری نظام: اس میں ریونیو کا حق وارثوں کو حسب مراتب ملتا تھا

رعیت داری: کاشتکاروں سے براہ راست ریونیو وصول کرنا

زمیندار: برطانوی قانون کے تحت وہ شخص جو زمین پر مالکانہ حقوق رکھتا ہو۔

دیوان عرض: فوجی انتظام کا شعبہ

سر رشتہ دار: دستاویزات رکھنے والا

تعلقدار: اودھ کے زمیندار

تقاوی: کاشتکاروں کو پیشگی رقم دینا

وثیقہ: وقف سے وظیفہ دینا۔

کتابیات

اردو کتب

اچاریہ، کوٹلیہ: ارتھ شاستر (اردو ترجمہ) کراچی، ۱۹۶۵ء

اشرف، محمد: ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۱ء

الماوردی: الاحکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) کراچی، ۱۹۶۵ء

برنی، ضیاء الدین: تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۶۹ء

سرسید احمد خاں: مقالات سرسید۔ جلد شانزدھم۔ لاہور، ۱۹۶۵ء

شرما، رام شرن: سماجی تبدیلیاں: ازمنہ وسطی ہندوستان میں۔ دہلی، ۱۹۷۰ء

مور لینڈ، ڈبلیو، ایچ: اکبر سے اورنگ زیب تک (اردو ترجمہ) نئی دہلی، ۱۹۸۱ء

نعمان صدیقی: مغلوں کا نظام مالگذاری (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۰ء

گرفن، ایچ و کرنل میسی: تذکرہ روسائے پنجاب۔ حصہ اول و دوم، (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۳ء

ہروی، نعمت اللہ: تاریخ خاں جہانی ومخزن افغانی (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۷۸

کتب انگریزی

Athar Ali: The Mughal Nobility under AurangzebBombay, 1970.

Aries, P., G. Duby (editors) A History of Private Life. Vol.II.

Revelation of the Medieval World. Harvard Uni. Press. 1988.

Ansari, Sarah: Safi-Saints and State Power: The Pirs of Sindh. (1843-1947) Lahore, 1992.

Bloch, M.: Feudal Society, London 1962.

Brooke, C.: Europe in the Central Middle Ages. London, 1975.

Bawa, V.K.: The Last Nizam, Penguin India, 1992.

Chritchely, J.: Feudalism, London, 1978.

Desai, A.R.: Social background of Indian Nationalism, Bombay 1991.

Darling, M.: The Punjab Peasent. London (?)

Durand, Will: The Age of Faith. Newyork 1950.

Our Oriental Heritage. Newyork 1963.

Rousseau and Revolution. Newyork 1967.

The age of Naapolean. Newyork 1975.

Fisher, M.H.: The Clash of Culture. Delhi 1987.

Ganshop, F.L.: Feudalism. Longman, 1952.

Huizinga, J.: The Wanning of the Middle Ages. London, 1976.

Habib, Irfan: Agrarian System of Mughal India. Bombay, 1963.

Essays on Indian History, Delhi 1995.

Kosambi, D.D.: An Introduction to the Study of Indian History, Bombay, 1994

Lapidus, Ira, M.: A History of Islamic Societies. Cambridge 1991.

Mclane, J.R.: Land and Local Kingship in Eighteenth Century Bengal. Cambridge 1993.

Muzaffar Alam: The Crisis of Empire in Mughal North India. Oxford Delhi 1986.

Mukhia, H.: Perspectives on Medieval History. Delhi 1994.

Metcalf. T.R.: Land, Landlord and the British Raj. Vni of California 1979.

Marshall, P.J.: Bengal: The British Bridgehead (New Cambridge History of India) Cambridge 1987.

Napier, W.: Sir Charles Napiers Administration in Scinde and Campaign in Cutchee Hill. Karachi 1995.

Pemble, J.: The Indian Mutiny and the Kingdom of Oudh. The Harvest Press, 1977.

Richard, B.: North India Between Empires. Uni-of California 1980.
Richards, J.F.: The Mughal Empire, (The New Cambridge History of India) Cambridge 1993.
Saradhikari, R.K.: The Taluqdari Settlement in OUDH. Delhi 1985.
Sheehan, J.J.: German History, Oxford Clarendenpress 1770-1866,1989.
Spear, P.: A History of Delhi Under the Later Mughals. Delhi 1988.
Talbot, I.: Punjab and the Raj. Delhi 1988.
Thappar, R. Ancient India Social History. Delhi 1990.
Trevelyn, G.M.: English Social History London 1962.